

پندرہوڑہ معارف فخر

مدیر:
سید شاہد ہاشمی

MA'ARIF FEATURE

نائب مدیران: مفتی ظفر خاں، سید سعیج اللہ حسینی، نویں نون - معاون مدیران: غوث الدین، محمد عبید قادری
ڈی - ۳۵، بلاک - ۵، فیڈرل بی ایریا، کراچی - ۷۵۹۵۰
نون: ۰۳۶۳۳۹۸۴۰ - ۰۳۶۸۰۹۲۰۱ (۹۲-۲۱)

مرتقبہ: www.irak.pk, وہب گاہ: irak.pk@gmail.com

بیلٹ اینڈ روڈ کی تکمیل ”چین کا خواب“

باوجود چینی بی آر آئی کو ہر حال میں جلد سے جلد کمل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس حوالے سے عملی توجیہات کو تین اندر ورنی اور چار یہ ورنی عوامل کی شکل میں میان کیا جاتا ہے۔

اندر ورنی عوامل:

پہلا: چین میں بھی معماشی تامہواری غیر معمولی ہے۔ مغربی چین بہت پیچھے رہ گیا ہے جبکہ مشرقی چین میں سمندر سے جوئے ہوئے علاقوں کی ترقی غیر معمولی ہے۔ شنگھائی شہر کواب باضابطہ صوبے کا درجہ حاصل ہے۔ یا اندر ورنی صوبے گینو سے پانچ گنا دو لکھ مند ہے۔ سنیا گن اور تبت کے خود مختار علاقوں کے لوگ بیچگ راج سے بدھن ہیں اور چینی کیونٹ پارٹی ان دونوں خود مختار علاقوں میں پلانی جانے والی علیحدگی کی تحریکوں کو قوی سلامتی کے لیے خطرہ گردانی ہے۔ چینی قیادت اس نکتے کو سمجھتی ہے کہ سورش زدہ علاقوں میں خرابی کا نبیادی سبب افلاس اور کمز ترقی ہے۔ یہی سبب ہے کہ انہیٰ متمول اور غیر ترقی یافتہ خطوط کے درمیان پانے

اندر ورنی صفات پر:

- کون سی امریکی جمہوریت؟
- سری لانکا پھر دروازے پر!
- ڈھکری تعلیم: چین میں مقبولیت
- مغرب کا نیزد مردوں پر بے با کانہ بھروسہ
- ترکی: ایک دو جذبی سافٹ پاور
- عرب دنیا کے طاقتور تین رہنمائیک کا سفر
- ہیومن: سو شلسٹ ریاست میں بادشاہ بننے کی خواہش
- زندگی کوئیا ”ڈیر انک“ چاہیے!
- بولیویا انتشار کے گڑھے میں
- بھارت کے لیے حقیقی خطرہ

جوڑتا ہے۔ منصوبے نے اور پرانے منصوبوں کے ذریعے ایک وسیع خلیہ کو ایک لڑی میں پروٹے کی کوشش ہے۔ چینی سخت اور نرم و فوں طرح کی قوت کا اظہار چاہتا ہے۔ اس کے لیے بنیادی ڈھانچے کھروغ دیا جا رہا ہے، سرمایکاری کا گراف بلند کیا جا رہا ہے اور شفافی سرگرمیوں کا درجہ وسیع کیا جا رہا ہے۔ اس وقت یہ منصوبہ ۱۳۸۰۰ ممالک پر محیط ہے، جن کی مجموعی تباہی ۲۰ رابر ۴۰ کروڑ اور مجموعی خام قوتی پیداوار ۳۶۳۳۹۸۴۰ ہزار ارب ڈالر ہے۔

اس وقت چین جغرافیائی بنیاد پر معيشتی سرگرمیوں کا دائرہ زیادہ سے زیادہ وسیع کرنا چاہتا ہے۔ صدر شی جن پنگ متعدد مواقع پر کہہ چکے ہیں کہ بی آر آئی کا بنیادی مقصد کوئی منصوبے چانکا کلب بنانا نہیں بلکہ دنیا بھر کی میഷشتوں کو ایک لڑی میں پر کر غیر معمولی اشتراک عمل کی راہ ہموار کرنا ہے تاکہ اختلاف کا گراف پنج آئے اور ہم آنٹی زیادہ سے زیادہ پھیلے۔ چند برس کے دوران پسمندہ ممالک کو بنیادی ڈھانچے کے اپ گریٹ یعنی کے لیے دیے جانے والے اربوں ڈالر کے قرضوں پر اعتماد کیے جا رہے ہیں۔ بالخصوص مغرب نے بہت زروری سے یہ پو پیکنڈا کیا ہے کہ چین نے نسبتاً کمزور ممالک کو بنیادی ڈھانچے میں سرمایکاری کے نام پر قرضوں کے جال میں پھانسے کا پورا گرام بنایا ہے۔ باست کچھ یوں ہے کہ چین بہت کچھ خرچ کر رہا ہے اور بظاہر خسارے کا سودا ہے تاہم مقصود یہ ہے کہ جغرافیائی و سیاسی طور پر زیادہ سے زیادہ فوائد ہوئے جائیں۔

بہت سے ڈھنوں میں یہ سوال ابھرتا رہتا ہے کہ آخر کیا

Anu Anwar

چین کا بیلٹ اینڈ روڈ انٹھیبو (بی آر آئی) اب کیونک پارٹی کے مرکزی منشور میں صدر اور پارٹی کے سربراہ شی جن پنگ کی خارجہ پالیسی کے سب سے بڑے مظہر کے طور پر شامل کر لیا گیا ہے۔ اس پراجیکٹ کی تاکمی خود پارٹی کی تاکمی تصویر کی جائے گی۔ بیرون ملک اربوں ڈالر کی سرمایہ کاری کے بعد اب اگر یہ منصوبہ ناکام ہوتا ہے تو خود شی جن پنگ کی اخراجی بھی واک پر لگ جائے گی۔

چینی صدر شی جن پنگ نے ۲۰۱۳ء میں جب اس منصوبے کا اعلان کیا تھا تو اس کا نام ون بیلٹ ون روڈ (OBOR) تھا۔ چینی زبان میں آج بھی اس منصوبے کو اس نام سے پکارا جاتا ہے۔ بنیادی تصور یہ تھا کہ مختلف علاقوں سے ہوتی ہوئی ایک شاہراہ تیر کی جائے تاکہ تجارتی اموال کی ترکیل میں کوئی اچھا پیش نہ آئے۔ ساتھ ہی ساتھ بھر ہند میں ایک ایسا تجارتی راستہ بھی تیار کیا جانا تھا، جس میں چین کو مرکزی یا کلکیدی حیثیت حاصل ہو اور دیگر نسبتاً کمزور ممالک اس سے وابستہ ہو کر خود بھی مضبوط ہوں اور چین کے لیے بھی ہری طاقت کا ذریعہ ثابت ہوں۔ ان دونوں راستوں سے دوسرے ایسا تجارتی راستے بھی مرحلہ وار چوتے جائیں گے۔ چین اس تاثر کی ہر حال میں نفی کرنا چاہتا ہے کہ اس پورے منصوبے کا صرف ایک مقصد ہے یہ کہ صرف اور صرف بیچنگ کے مفادات کو زیادہ سے زیادہ تحفظ دینا ممکن ہو۔

اپنی کرنی یو آن کو فروغ دینے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ بی آر آئی سے جوئے ہوئے ممالک کے درمیان تجارت یو آن میں ہوتی ہے۔ پاکستان اور چین کے درمیان بھی طے پایا ہے کہ دو طرفہ تجارت کے لیے دونوں اپنی کرنی استعمال کریں گے۔ یہ بات پورے یقین سے تو چین کی جاسکتی کہ بی آر آئی کامل طور پر کامیاب ہو گاتا ہم حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ چین نے اس منصوبے پر بہت کچھ لگادیا ہے اور بہت کچھ ہے جس کے وقوع پانے کا دار اس منصوبے کے کامیاب ہونے پر ہے۔ ایسے میں یہ بات پورے یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ چین اس ایک منصوبے کو بھرپور کامیابی سے ہم کنار کرنے کی خاطر کسی بھی حد سے نر جائے گا۔ بی آر آئی کی بھرپور کامیابی کا بنیاد اصل اس لئے ہے کہ چین اندرونی سطح پر معاشری تابعوں اور کاروباری دور کرنے میں کس حد تک کامیاب رہتا ہے اور عالمی سطح پر معيشتی نویت کے نشیب و فراز سے بخشن و خوبی کس طور پر رکھتا ہے۔

انو انور دی دینیم کے انوئر ایشیا پسیسفک سینٹر فار سکیورٹی اسٹائلائز کرے دیسرج فیلو ہیں۔
(ترجمہ: محمد ابید ایمن خان)

"Belt and road initiative: Why China pursues it"
("South Asia Journal". October 31, 2019)

لیقیہ: گھر پر تعلیم: چین میں مقبولیت
خاندانوں کا بھی بینی تحریر ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سرکاری اعلیٰ کاروادانت آنکھیں بند کیے ہیں۔ ویگ ڈوگ ایک وکیل ہے، جو تعلیم کے شعبے میں کام کرتا ہے اس نے کوئی ایسا خاندان انکھیں دیکھا ہے گھر پر تعلیم دینے کی وجہ سے قانونی کارروائی کا سامنا کرنا پڑا ہوا۔

جولائی کے میئے میں وزارت تعلیم نے کوشش کی تھی کہ اسکوں وطن اور پارٹی سے محبت کے جذبات کو فروغ دیں۔ اگست کے میئے میں سرکاری ذرائع ابلاغ نے چین کے رہنمای جی چن پنگ (Xi Jinping) کے الفاظ کو دہلیا کر کہ ”اسکوں کو لازمی طور پر طالب علموں کے دلوں میں سوچلاتے نظریات کی جزوں کو گھر کرنا چاہیے۔“ سرکاری الہاکار اس بارے میں بالکل پر اعتماد نہیں ہیں کہ والدین اس پر عمل کریں گے۔ ایسے افراد پر بنی آسم لائن کلب کے بانی روزوئی چن (Xuejin) نے اپنی ویب سائٹ بند کر دی ہے تا کہ اپنے اراکین کی شناخت کو غلی رکھے۔ (ترجمہ: جاوہ احمد غورشید)
"More Chinese are home schooling their kids". ("The Economist". Oct. 17, 2019)

چین اب تو اپنی اور خوارک کی محفوظ رسم کے لیے جیسے میانمار معاشری رہداری، جیسے پاکستان اقتصادی رہداری اور چین، انڈیا، بھلگاٹیش، میانمار معاشری رہداری بنارہا ہے۔ یہ زمینی رہداریاں جنوب مشرق ایشیا سے ہوتی ہوئی بھری ضرورت سے بہت زیادہ ہے۔ اس کے لیے آٹھ یہٹ چین کا آپنائے ملا کا پر غیر معمولی انحصار گھٹ جائے گا۔
وسرہ: ہمیادی ڈھانچا تیار کرنے اور پروان ڈھانچے کے حوالے سے چین کی صلاحیت اور سکت غیر معمولی اور چین کی کوشاں کی ہے۔ یہ ہمیادی ڈھانچا چین کو کاروباری اور دفاعی دونوں اعتبار سے غیر معمولی برتری حاصل کرنے کا موقع دے گا۔ مثلاً ہمجنہوتا (سری لانکا) اور گاودر (پاکستان) میں چین کی تعمیر کردہ بندرگاہ مھن تجارتی مال کی تسلیم کے لیے استعمال ہمیں ہو گی بلکہ چین اپنے جنگلی جہازوں کو بھی پہاڑ لکر انداز رکھ سکے گا اور یوں گشت کے ذریعے وہ اس خطے میں بھارتی بالا دوستی کا گراف نیچے لانے میں کامیاب رہے گا۔

چین جنوبی ایشیا، شرق و سلطی اور افریقا کے متعدد ممالک میں ہمیادی ڈھانچے کو مضبوط کر رہا ہے۔ یہ ممالک منصوبے کے ذریعے چین عالمی برواری میں اپنی پوزیشن اس قدر مضبوط کر لے کہ عروں سک کوئی الحسن نہ رہے۔ یہ جن پنگ کا فلیگ شپ پر اچیکت بن چکا ہے۔ انہوں نے اندر وون ملک اسے ”چانکا ڈریم“ تراویدا ہے۔ کوشاں یہ ہے کہ اس ایک منصوبے کے ذریعے چین عالمی برواری میں اپنی پوزیشن اس قدر مضبوط کر رہے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ مستقبل کا چین بھی ان کی قیادت میں آگے بڑھے۔ اس منصوبے کے ذریعے چین متعدد خطوں کو ایک لڑی میں پوکر ان کے قائد کی حیثیت اختیار کرنا چاہتا ہے۔

بیرونی عوامل:

پہلا: چین نے بی آر آئی کے ذریعے اپنے ایک اہم چیزوں اسٹریٹجیک مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ آپنائے ملا کا جزیرہ نما مالے اور اٹھ پیشین جزیرے سے مالاکے درمیان کو کسی مخلل میں ایکجگ کرنے کی کوشش کی ہے، تاہم پیتاڑ کو کسی مخلل میں ایکجگ کرنے کی کوشش کی ہے۔ آپنائے ملا کا عالم رہا ہے کہ چین اسٹریٹجیک عمل کی صورت میں اپنے مفادات کو غیر معمولی اہمیت دیتا ہے اور وہروں کو کچھ زیادہ نہیں دینا چاہتا۔ وہری جنگ عظیم کے بعد یورپ کی تعمیر فو اور عموی بہبود کے لیے امریکا کے مارش پلان کی طرح بی آر آئی بھی چین کی طرف سے ایک ایسا منصوبہ ہے، جو دنیا کو یہ باور کرائے گا کہ چین وہروں کا بھی بھلا جا ہتا ہے اور عالمی سطح پر قائدانہ کردا رکنے کی اہمیت بھی رکھتا ہے۔ اس نقطہ نظر سے ویکھیے تو چین کی سوونٹ پاؤ روپیٹسی کے لیے بی آر آئی غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔

چوتھا: چین نے امریکا سے سیکھا ہے کہ اپنی کرنی مضبوط ہو تو بہت سے فوائد خود بخود حاصل ہو جاتے ہیں۔ چین نے تو اپنی دونوں کے حوالے سے ٹکنیکیں بخراں پیدا ہو سکتا ہے۔

میں جو بیان دیا ہے وہ اس امر کا منہ بولتا ہوتا ہے کہ امریکا میں موجود نئے گھر کر لیا ہے، اب کچھ بھی تبدیل نہیں ہوگا۔ خیال کیا جا رہا تھا کہ فیس بک کو زندگی پر نہیں جائے گی، اُس کے اڑات کو کثروں کرنے کے حوالے سے کوئی واقعی خوش اقدام کیا جائے گا مگر ایسا کچھ بھی تو نہ ہوں۔ ری پہلکنر کو چھپی طرح اندازہ ہے کہ فیس بک کے اڑات کتنے سیچ اور گہرے ہیں۔ انہوں نے فیس بک کو اپنی دلکشی بازو کے نظریات کی تبلیغ و اشاعت کے حوالے سے الگ کاربنانے پر توجہ دی ہے۔

کوئی کتنے ہی دوے کرے، کچھ بھی کہتا پھرے، حقیقت یہ ہے کہ امریکا وہ ملک ہے جہاں جمہوریت بری طرح ناکام ہو چکی ہے۔ ری پہلکنر نے اب محض کور اپ آرڈنس کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ کارپوریٹ میکٹر اپنے مفادات کا ہر حال میں تنظیم چاہتا ہے اور ری پہلکنر اس حوالے سے اُس کی بھرپور خدمت کر رہے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ گرینڈ اولڈ پارٹی اب کارپوریٹ میکٹر کے مفادات کی نکران و محااظن بن چکی ہے۔ امریکا میں ایک ایسی قوم پر والان چڑھ رہی ہے، جو مستقل نویت کی ناطقی سے دوچار ہے۔

ایک زمانے سے امریکا میں بہبودِ عامہ کے حوالے سے انتقامی نویت کے اقدامات کیے جانے کا غلغله ہے۔ اس حوالے سے سوچا بہت کچھ جاتا ہے مگر کیا کچھ بھی نہیں جاتا۔ بر اک اوپاما کے دور میں صحتِ عامہ کا معیار بلند کرنے کے حوالے سے طرح طرح کے دوے کیے گئے مگر ہوا کیا؟ وہی ڈھاک کے تین پاس۔ آج حالت یہ ہے کہ اگر امریکا میں عوام کی بہبود سے متعلق کوئی بڑا کام ہو جائے تو اُسے محض اتفاق ہی سمجھا جانا چاہیے۔ بہبودِ عامہ کا کوئی بھی کام اب سمجھیدا پالیسی سازی کا نتیجہ نہیں ہو سکتا۔

امریکی قیامت اور پالیسی سازی میں جو خامیاں اور کمزوریاں پائی جاتی تھیں، وہ ڈولڈ ٹرمپ کی آمد کے بعد دوچند ہو گیں۔ امریکیوں نے دیکھ لیا ہے کہ ٹرمپ نے ہر معاملے کو گرفت میں لے رکھا ہے۔ ٹرمپ نے ایوان صدر میں سارا وقت عوام کے جملی تقاضوں کو کچھ اور اپنے کاروباری مفادات کو زیادہ سے زیادہ محظوظ کرنے پر خرف کیا ہے۔ کانگریس میں ری پہلکنر اس امر کو تینی بانے کے لیے فعال رہتے ہیں کوئی بھی کسی بھی معاملے میں ڈرمپ کو نہ رکھے۔ اور یہی امریکا کی حقیقی ناطقی ہے۔

کون سی امریکی جمہوریت؟

Stephan Richter

پریرگ کے یہودی معبد میں فائرگ کا واقعہ بھی لوگوں کے دلوں کو یہ امید دلا گیا کہ اب شاید کچھ بدل جائے گا۔ اس کے بعد سانچلیریا، کیلی فورنیا کے اسکول میں فائرگ نے لوگوں کے دلوں میں امید بگائے گی کہ شاید اب گن کثروں کے حوالے سے حقیقی مطلوب اقدامات کیے جائیں گے۔ داش کا قضاۓ تو یہی تھا کہ پالیسی ساز بیدار ہوں، قومی قیادت اٹھے اور کچھ کرے۔ ٹرمپ اور ان کے ساتھیوں نے ان تمام واقعات کو ہنی خلل کا نتیجہ قرار دے کر فال کھلنے سے پہلے ہی بند کر دی۔ مغربی دنیا نے ہنی خلل والے بہت سے ممالک دیکھے ہیں مگر مغربی تاریخ میں اس حوالے سے امریکا سے بڑا ملک کوئی واقع نہ ہوا ہوگا۔ پرہکوں اور سیاسی خلافت میں اتنا واضح فرق کہیں اور نہیں رہا ہوگا۔ کبھی کبھی تو ایسا لگتا ہے کہ کبھی کچھ جعلی ہے۔ ری پہلکنر اس حقیقت کا سہارا لیتے ہوئے چل رہے ہیں کہ لوگ کچھ دنوں میں سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ عوام کے جذبات کی تکمیل کے لیے اصلاحات کا راگ کچھ دری کے لیے الا پا ضرور جاتا ہے، مگر ہوتا کچھ بھی نہیں۔ یا یوں کہیے کہ کچھ بھی ایسا نہیں کیا جاتا جو معاملات کو بہتری کی طرف لے جائے۔

ڈیموکریٹس کا معاملہ یہ ہے کہ وہ کسی بھی ایشور پر چھوڑا ہے۔ شور تو چاتے ہیں مگر اعتماد کا فندان انہیں بھی کچھ دری میں خاموش کر دیتا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ کچھ بھی تبدیل نہیں ہو گا۔ پہلے بھی انہوں نے بہت دوے کیے مگر ڈیمورنڈ کر سکے۔ لوگ اب ان کی کسی بات پر بھی یقین کرنے کو تیرنہیں۔ ڈیموکریٹس میں انروپی سطح پر غیر معمولی اختلافات اور احتفاظات پاے جاتے ہیں۔ سلیکون ولی کی فرمز نے ڈیموکریٹس کو نوازا ہے۔ انتہیت کے نوگزے پر ڈیموکریٹس کی امیدوں کا مرکز رہے ہیں۔ عالمگیرزم قوت ہی کو ڈیموکریٹس سب کچھ سمجھتے ہیں۔ سلیکون ولی کی فرمز انسانی روپیوں کے حوالے سے غیر معمولی کثروں کی حمای ہیں۔ وہ اس معاملے میں مختلف سطھوں پر بھرپور ادازے کام کرتی ہیں۔

دل خراش حقیقت یہ ہے کہ امریکا میں پالیسی سازی اب سرسک جسکی ہو کر رہ گئی ہے۔ پالیسی کے نام پر صرف اچھل کو دیکھ جا رہی ہے۔ کسی بھی مسئلے کا کوئی پائیار حل تلاش کرنے کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے نہ اس حوالے سے ولوہ ہی پایا جاتا ہے۔ فیس بک کے بانی ایگزیکٹیو مارک زکربرگ نے کانگریس

یقین ہے امریکی جمہوریت کے ہاتھوں ہر سطح پر بیدا ہونے والی ”ناطاقی“ کا۔ امریکی جمہوریت کے حوالے سے دنیا بھر میں طرح طرح کے تصورات پاے جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ امریکی جمہوریت اب ایک پہنچ جیوان ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ تبدیلی کو تینی بنانے والے ہر معاملے سے مدد موڑ لیا گی ہے۔ کوئی ساختہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، کسی کے لیے ذرا بھی اہمیت نہیں رکھتا۔ سیاست داں جا ہے جتنا بھی شورچا کیں، میں اسٹریم میڈیا اور سوٹل میڈیا کے ذریعے عوام جا ہے کچھ بھی کہیں، موجود ہے کہ ختم ہونے کا نام نہیں لیتا۔ جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے وہی اب امریکا میں بھی ہو رہا ہے۔ مقادار اڑات کا قانون نافذ ہو چکا ہے۔ اب اس حقیقت سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ کسی بھی معاملے میں حس قدر رشور چاہیا جاتا ہے تبدیلی کی تجھاش اُسی قدر کم ہوتی ہے۔ اور کسی بھی کو تباہ کل نہیں ہوتی۔ پرانے جہاں گرتے تھے وہیں گرتے رہتے ہیں۔

کئی معاملات ایسے ہیں، جنہوں نے یہ ٹاہت کر دیا ہے کہ امریکا میں اب کسی بھی حقیقی بڑی تبدیلی کی راہ ہوا کرنا آسان نہیں۔ بہت سے گروہوں کے مفادات جب آپس میں مکارتے ہیں تب کسی بھی حقیقی اور شبہ تبدیلی کی راہ سدود ہو جاتی ہے یا کردی جاتی ہے۔ فیس بک اسکی ذہن ہو یا افریقی نسل کے امریکیوں کو قتل کرنے کا معاملہ، جسی ہے کہ ختم ہونے کا نام نہیں لیتی۔ ڈولڈ ٹرمپ کے عہد صدارت نے معاملات کو مزید الجمادیا ہے۔

عوام واقعی بھولے ہوتے ہیں۔ وہ حقائق کو وہ ہیں لیں رکھ بغیر سوچتے اور خوش نہیوں میں بتلتار ہتے ہیں۔ عوام کا خیال تھا کہ پارک لینڈ، فلاوریٹ اسکول میں شونک کے واقعے سے قوم مل کر رہ جائے گی اور گن کثروں کے حوالے سے کچھ نہ کچھ ضرور ہو گا۔ عوام کو امید تھی کہ اب پالیسی ساز جائیں گے اور بہت کچھ بدل دیں گے۔ انہیں تو یقین بھی تھی کہ اب سیاسی مظہر نام بدل جائے گا اور سیاسی قوتیں بہت کچھ کرنے کا عزم لے کر میدان میں اڑتیں گی۔ کچھ نہ ہوا، کچھ بھی تو نہ بدل۔ لوگوں کو اندازہ ہو گیا کہ وہ جو کچھ سوچ رہے تھے وہ محض خوش گمانی کا شاخانہ تھا، اپنے دل کو تسلی دینے کے لیے کافی تھا۔

(ترجمہ: محمد ابی العین خان)

"The American Impotence".

("The Globalist". Nov. 16, 2019)

دُگھر پر تعلیم، چین میں مقبولیت

وقت استاد بننے کو ترجیح دیتا ہے۔ وہ اپاراؤنگار چوڑ کر جزو وقت میزانت اختیار کر لیتا ہے۔ وطنی صوبے شانگنگی میں رہائش پذیرے اسالہ سوئن کو اسکول سے اس وقت نکال دیا تھا جب وہ دس سال کا تھا۔ اس کے والد بیکھر ارہیں، وہ اس کے کل وقت استاد بننے گئے۔ نین (اصل نام نین) اب جوان ہے اور اس کے والد نے دوبارہ اپنا سابقہ پیش اختیار کر لیا ہے۔ نین نے اپنے پڑھنے اور کام کرنے کے اوقات کا ترتیب دیے ہیں۔ وہ آن لائن پڑھتا ہے اور رضا کارانہ بینیادوں پر کام بھی کرتا ہے۔ والدین جو یہ چاہتے ہیں کہ ان کے پچے چین کی ہے۔ والدین کا کہنا ہے کہ ایسے طالب علموں کی تعداد ان اعداد و شمار سے کہیں زیادہ ہے۔ بیجگ کی ایک خاتون تلمیز کرتی ہیں کہ ان کی طرح کے لاکھوں خاندان ہیں۔ ”وی جیف“ جیسے گروپ میں جو لوگ اس بارے میں اپنے تجربات تحریر کرتے ہیں ان کی تعداد بہت بڑھ چکی ہے۔ ان میں ایسوں کی کثرت ہے، جنہوں نے سرکاری منظوری حاصل کرنے کی پرواہ بھی ہے۔ انھیں اس ضمن میں منظوری حاصل کرنے کی پرواہ بھی شہیں۔ سرکاری تینیہات کے باوجود گزشتہ دوسرے میں تجزیہ فقاری سے نہیں بلکہ گروپ پر تعلیم دینے میں اضافہ ہوا ہے۔ اس کے باوجود کوئی وجہات ایسی ہیں، جن کے باعث والدین خطرہ محسوس کر رہے ہیں۔ ایک سروے کے مطابق سرکاری اسکولوں میں نظریات، اور طریقہ تدریس، دو ایسی یہ کام سرکار کا ہے کہ وہ اس طریقہ تدریس پر عمل یافتہ افراد کے خلاف کارروائی کرے۔ اس کے بر عکس سرکاری خانصین کے لیے ایک خطرہ من چکی ہے۔ بچھر کاری افراد گروں پر اسکول چلانے والوں کے ساتھ ہمدردی ظاہر کرتے ہیں۔ ۲۰۱۷ء میں حکومت کی جانب سے انتہا جاری کرنے سے پہلے سرکاری ذرائع ابلاغ نے گروں پر تعلیم دینے کے انداز میں اضافے کے باعث انھیں منظوری دینے کا اشارہ دیا تھا کیوں کہ اس طرح طالب علموں میں موجود تراوکم کیا جاسکتا ہے۔ ممکن ہے کہ سرکاری اہلکار اجتماعی گھر اسکولوں پر پابندی لگانے کا ارادہ رکھتے ہوں، تاکہ ان والدین کے خلاف کارروائی کی جائے جو اپنے بچوں کو پیسہ کرانے کے لیے بھیجنے ہیں۔ شوہد بھی اس بارے میں بھی کچھ بتاتے ہیں۔ ایک خاندان جس کی نعمتیں بگھر اسکول میں پڑھتی ہے، اس نے کہا کہ انھیں تعلیم کے مقامی حصے کی جانب سے کمال ہوتی ہے۔ ان سے پوچھا گیا تھا کہ ان کی بھی کہاں پڑھتی ہے۔ اس کے بعد سے ان سے رابطہ نہیں کیا گیا۔ اس نے تباہی کرایے، بہت سے باقی صفحہ نمبر ۲

زمیں کی تو ان کے خلاف کارروائی کی جائے گی۔ کچھ والدین ایسے ہیں، جو بالکل خوف زدہ ہیں۔ ۲۰۱۶ء میں بیجگ کے ایک تھنک نیک نے تینیہات پیش کیا ہے کہ ۵۰ ہزار طالب علموں نے اپنے اپنے اسکولوں کو خیر باد کہہ دیا ہے۔ یہ تعداد ۲۰۱۳ء میں تین گناہ تک بڑھ گئی تھی۔ وہ والدین جو گھر پر تعلیم دے رہے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ایسے طالب علموں کی تعداد ان اعداد و شمار سے کہیں زیادہ ہے۔ بیجگ کی ایک خاتون تلمیز کرتی ہیں کہ ان کی طرح کے لاکھوں خاندان ہیں۔ ”وی جیف“ جیسے گروپ میں جو لوگ اس بارے میں اپنے تجربات تحریر کرتے ہیں ان کی تعداد بہت بڑھ چکی ہے۔ ان میں ایسوں کی کثرت ہے، جنہوں نے سرکاری منظوری حاصل نہیں کی ہے۔ انھیں اس ضمن میں منظوری حاصل کرنے کی پرواہ بھی شہیں۔ سرکارے والدین کے باعث گزشتہ دوسرے میں تجزیہ سرکاری سے نہیں بلکہ گروپ پر تعلیم دینے میں اضافہ ہوا ہے۔ اس کے باوجود کوئی وجہات ایسی ہیں، جن کے باعث والدین خطرہ محسوس کر رہے ہیں۔ ایک سروے کے مطابق سرکاری اسکولوں میں نظریات، اور طریقہ تدریس، دو ایسی چیزیں ہیں جنہیں لوگ تائید کرتے ہیں۔ یہ کہ اس کا کہنا ہے کہ آزاد سوچ اور بحثوں کا نہ ہونا بھی ایک بڑی وجہ ہے۔ اسکوں کچھ میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ یہاں دن رات طالب علم اضافہ کی چیزوں میں مہک رہتے ہیں۔ کچھ افراد ایسی ہیں جو گھر پر تعلیم دینے کو نہیں دی جاتی ہیں۔ کچھ سرکاری خاص حالات میں دی جاتی ہے، لیکن جب کوئی بچہ کسی ایسی بیماری میں بھلا کیا جاتا ہے، جو اس کے ترجیح دیتے ہیں کیوں کہ جن کے اسکول الحاد پھیلا رہے ہیں۔ اکثر والدین شہری علاقوں سے تعلق رکھتے ہیں اور خاصے تعلیم یا فتوحہ بھی ہوتے ہیں۔ ان والدین کا تعلق ۹۰ کی لبرل دہائی سے ہے۔ ان میں سے کچھ ایسے ہیں، جو امریکا کے گھر پر میں تعلیم دینے کے انداز سے متاثر ہیں۔ امریکا کی ۳۰ ریاستوں میں ۱۹۸۰ء تک اس طریقہ تدریس پر پابندی تھی۔ اب تین فیصد طالب علم اس انداز سے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ چین میں لاکھوں طالب علم جو گھر پر تعلیم حاصل کر رہے ہیں، ان کی تعداد ۹۰ سے پورہ سال کے طالب علموں کی کل تعداد کا ایک فیصد بھی نہیں ہے۔ چین میں گھر پر تعلیم دینے والی تعلیم و طرح کی بخیر اجاتس کے گھر پر تعلیم دینے کا سلسہ منوع ہے۔ مارچ میں والدین کو تینیں کی گئی کہ انہوں نے سرکاری احکامات کی تعیین

تھنک نیک سے واپسہ رہنے اور اس کے بعد تجارت کا پیش اپنانے والے یوان کے لیے یہ سب کچھ آسان نہ تھا۔ ابتدائی نورسون تک گھر پر تعلیم حاصل کرنے کے لیے سرکاری منظوری کی ضرورت ہوتی ہے۔ عام طور پر ان بررسیوں کے دوران طالب علموں کی عمر نو سے پورہ برس ہوتی ہے۔ یہ سرکاری منظوری خاص حالات میں دی جاتی ہے، لیکن جب کوئی بچہ کسی ایسی بیماری میں بھلا کیا جاتا ہو جس کا حل اسکول پیش کرنے میں ناکام ہو۔ گزشتہ سال زیادتی نے یونیورسیٹی سے گریجویٹ کی سند حاصل کی ہے۔ یوان آج بھی گھر پر درجن بھر گل و قنی طالب علموں کو تعلیم دیتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ان طالب علموں کا تعلق دیگر خاندانوں سے ہے۔

گھر پر تعلیم دینے کا لفاظ آج بھی تمازج ہے۔ ۲۰۱۶ء میں بھلی مرتبہ وزارت تعلیم نے اسے روکنے کے لیے اپنے اختیارات استعمال کیے۔ اس بارے میں سرکاری اہلکاروں کا کہنا ہے کہ گھر پر تعلیم دینے بچوں کی عمر، بھر تعلیم و تربیت میں نقصان دہ ہے۔ والدین کو بھی یاد دہانی کرائی گئی ہے کہ بغیر اجاتس کے گھر پر تعلیم دینے والی تعلیم و طرح کی بخیر والدین کو تینیں کی گئی کہ انہوں نے سرکاری احکامات کی تعیین

مغرب کا نزدِ رمودی پر بے با کانہ بھروسہ

Gideon Rachman

زیادہ سراہا جا رہا ہے، یہ عمل سراہے جانے کے قابل ہی ہے۔ تاہم معیشت اب سست روی کا شکار ہے۔ ملی اور دیگر کئی بھارتی شہروں کا اک آلوگی کا شکار ہیں۔ ان حالات میں یہ رائے بالکل بھی درست نہیں ہے کہ مودی کا طاقتو را مضمبوط اندرازِ معاشری مسوس کے لیے کارگر ہاتھ ہو سکتا ہے۔

بھارت میں انسانی حقوق کی دگر گول صورت حال پر ڈرمپ انتظامیہ کی مخفی خاموشی صرف سفارتی و تزویری توجہات کے سبب نہیں ہے، یہ اس سے کہیں آگے کی بات ہے۔ ڈرمپ اور مودی، دونوں کئی اہم حوالوں سے آئندیا لو جیکل بھائی ہیں، انہیں اپنے اکثری نمائندہ ہونے پر اصرار ہے، اقتصادی حقوق کے بارے میں بدل طبقوں کی حساسیت کی تحریر کرنے نظر آتے ہیں، یہ وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ غیر قانونی تاریکین وطن کے خلاف سخت القدامت اخاکیں گے اور دونوں نے کسی حد تک اپنی سیاسی قوت کو مضبوط کرنے کے لیے اسلامی شدت پرندی کا خوف اپنے عوام میں جاگریں کرنے کی کوشش کی ہے۔

نزدِ رمودی کے کئی ایک ٹھوا کتھے ہیں کہ ان کی سب سے اہم خوبی یہ ہے کہ وہ "عام آدمی" کے ساتھ رابطے میں ہیں اور ڈومنڈ ڈرمپ کی طرح شہری اشراطیہ کی آراء کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ مودی انتظامیہ نے ایک موقف اسراۓ ملک سے بھی مستعار لیا ہے اور وہ غیر ملکی نادین کے جواب میں عذر پیش کرتے ہیں کہ "وہ انتہائی سخت ہمسایوں میں گھرے ہوئے ہیں۔" اس بات میں کوئی زیادہ نجک نہیں ہے کہ بھارت کے ہمسایہ ممالک اہل داش اس صورت حال کو خدا کا بتا رہے ہیں۔ امریکا میں مقیم فوبل انعام یافتہ مالیر معاشیات امریکی سینے نیویار کر ہر بیوے کو بتایا کہ ان کے دوست فون پر حکومت پر تقدیم کرنے سے کتراتے ہیں۔ انہوں نے ہر یہ کہا کہ "لوگ ڈرے ہوئے ہیں، اس سے پہلے میں نے ایسا کہیں نہیں دیکھا۔" ایک معروف بھارتی علمی شخصیت پرتا بھانو مہتا، جنہوں نے بڑھتی ہوئی عدالتی فرمائی برداری (اور کسی حد تک ذرائع تاثر خطرے سے دوچار ہے۔ تاہم چین سے فوژوہہ مغرب ابھی کچھ حصہ ہر یہ بھارت پر ہر بار رہے گا۔

یہ بات انتہائی اہم ہے کہ مودی القدامت پر مغرب کے انتہائی سست روئی کی کوئی قیمت پکانا پڑے گی کی مغرب اس طیباں بخش سراب میں ہے کہ جمیرو بھارت مطلق العنان چین کے مقابلے میں ایک تبادل آئندیا لو جیکل ماڈل کے طور پر کام کرے گا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بھارت کا بدل ازم کی طرف جھکا د مطلق العنانیت کے عالمی رہجان کو ہر یہ قوت پیش کر رہا ہے۔

"India's Narendra Modi has had a free pass from the west for too long".

(Financial Times". Nov. 11, 2019)

قانونی مہاجر قرار پاتے ہیں اور جو بھارت میں رہنے کا کوئی حق

نہیں رکھتے۔ یہ عمل بھی بھارت میں کافی اخطر ارب کا باعث ہے۔ رہا ہے۔ مودی سرکار کا کہنا ہے کہ انہوں نے یہ قدم وزارتِ عظمی کے حکم کی تعییں میں اٹھایا ہے۔ تاہم اب ان مبینہ غیر قانونی تاریکین وطن کے لیے عارض پناہ گاہ بنانے کا آغاز کر دیا گیا ہے۔

یہ عمل ملک بھر میں پھیلانے جانے کی باقی ممکنی سامنے آ رہی ہیں۔ یہم بھارت کی مسلم اقلیت کے لیے اپنائی بھارتی ثابت ہو گی۔ بھارتی انتظامیہ ایک نیا قانون لانے کی تیاری میں بھی ہے، جس کے ذریعے ہمسایہ ممالک میں علم و جرسے نجک فرار شدہ ہندو افراد کو بھارتی شہریت کا حق خود بخواہی میں ملے گا۔ یعنی اس طرح صرف مسلمانوں پر ہی غیر قانونی تارک وطن کی تواہبراتی رہے گی۔ بھارتی عدالتِ عظمی کی جانب تاریکی مسجدی جگہ ہندو مندرجہ تحریر کے جانے کی اجازت کے نیچے سے اس احساس میں ہر یہ پیشگوئی آئے گی کہ بھارت کی سیاسی ہوا میں آج کل مسلمانوں کے لیے سازگار نہیں ہیں۔

بھارتی قوم پرست طبقے اگرچہ ذرائع ابلاغ پر کافی پُر جوش دکھائے دیتے ہیں اور وہ نزدِ رمودی کی بڑھتی ہوئی بے با کی پر اس کی بیانیں لے رہے ہیں لیکن بھارت کے متعدد اہل داش اس صورت حال کو خدا کا بتا رہے ہیں۔ امریکا میں مقیم فوبل انعام یافتہ مالیر معاشیات امریکی سینے نیویار کر ہر بیوے کو بتایا کہ ان کے دوست فون پر حکومت پر تقدیم کرنے سے کتراتے ہیں۔ انہوں نے ہر یہ کہا کہ "لوگ ڈرے ہوئے ہیں، اس سے پہلے میں نے ایسا کہیں نہیں دیکھا۔" ایک معروف بھارتی علمی شخصیت پرتا بھانو مہتا، جنہوں نے بڑھتی ہوئی عدالتی فرمائی برداری (اور کسی حد تک ذرائع

ابلاغ) کے خطرات کو بجا پ لیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ "بھارت کے تمام آزاد اداروں کے گرد گھبرا نجک کیا جا رہا ہے۔" اپنے دفاع میں مودی سرکار اپنی واضح مقولیت کو پیش کرتی ہے، روائیں کے اختیارات میں وہ یہ ثابت ہی کر چکے ہیں۔

حکومت کو اس وقت کارروائی حلقوں کی حمایت بھی حاصل ہے، جو کارپوریٹ لیکس میں کی اور کارروائی مشکلات اور رکاوٹوں کے خاتمے کے حکومتی وحدے پر اس کے احسان علاقوں کا دورہ کرنے سے روک دیا گیا۔ اس کے ساتھی بھارت کی ریاست آسام میں بھی شہریت کی چھان پھکل کا عمل شروع کر دیا گیا جس سے ریاست کے قریب ۲۰ لاکھ باشندے غیر

دنیا بھر کی جمہوری ریاستیں بھارت پر بے با کانہ اعتماد کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ واشنگٹن ہو یا ٹوکیو، کیپٹن ہو یا لندن، ہر ایک بھارت کو جیتن کے مقابلہ ایک ناقابل تردیدی وقت کے طور پر دیکھ رہا ہے۔ جیتن اور بھارت، دونوں ایشیائی ممالک

ایسے ہیں جن کی آبادی ایک ارب سے زائد ہے۔ دنیا بھر کا کوئی بھی دوسرا ملک ایک ارب سے زائد باشندوں پر مشتمل نہیں ہے۔ گذشتہ برس امریکا کے مغلب دفاع نے اپنی پیشہ و فک کماٹ کا نام تبدیل کرتے ہوئے اٹھوپیسیک مکاٹ رکھا ہے: جس سے ایک نیا علاقائی سیاسی نقشہ سامنے آتا ہے، جو خطے میں طاقت کے توازن کو برقرار رکھنے کے لیے بھارت کو جیتن کے مدد مقابلہ لانے کا واضح پیادہ بنتا ہے۔ روائی سال تجسس میں یکساں ریلی کے موقع پر بھارتی وزیر اعظم نزدِ رمودی امریکی صدر ڈومنڈ ڈرمپ کے سامنہ نظر آئے۔ یورپ بھارت کو دنیا کی

سب سے بڑی جمہوریت کے طور پر پیش کرتے ہوئے اس کی تحریکیں کرتا ہے، حقیقت جگدا اس کے بر عکس ہے۔

بھارت میں مغربی سرمایہ کاری اب تزویریاتی، جذباتی، ہنی اور عالی جہتوں پر مشتمل ہے۔ اس سرمایہ کاری سے تین طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ مغرب نزدِ رمودی کے بھارت میں تلقی حقوق کو لاحق خطرات اور جمہوری اقدار کی پامالی جیسے تاریک پہلوؤں کی نظر انداز کرنے کی پالیسی پر گھرمن ہے۔ روائی سال کے اوکل میں جب سے نزدِ رمودی پوری قوت سے دوبارہ اقتدار میں آئے ہیں، ان کی حکومت کے خطرناک پہلوؤں پر دیکھی سے سامنے آنے لگے ہیں۔

روائی سرکے ماوگست کی ہتارنخ کوانہوں نے مسلم اکثریت جہوں کشیری مخصوص آئینی حیثیت قائم کرتے ہوئے شہری حقوق اور آزادیوں کو بری طرح پامال کرنے کا آغاز کیا اور کئی کشیری رہنماؤں کو کسی بھی عدالتی کارروائی کے بغیر پس زندگی ڈال دیا۔ حزب اختلاف کی سیاسی قیادت، انسانی حقوق کے کارکنان اور دملی میں موجود غیر ملکی صحقوتوں کو ان علاقوں کا دورہ کرنے سے روک دیا گیا۔ اس کے ساتھی بھارت کی ریاست آسام میں بھی شہریت کی چھان پھکل کا عمل شروع کر دیا گیا جس سے ریاست کے قریب ۲۰ لاکھ باشندے غیر

ترکی: ایک دو جذبی سافٹ پاور

Ahmet Erdi Öztürk

اسکارلوں نے یہ جانے کی کوشش کی کہ مذہب اور مذہبی تنظیمیں کس طرح مذہبی تعلیم اور سماجی سرگرمیوں کی مدد سے لوگوں کے تصورات کو تبدیل کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔

۱۹۶۳ء میں دیانت فاؤنڈیشن کا قیام عمل میں آیا۔ پہلی نظر میں یہ مذہبی اسکارلوں پر مشتمل ایک ادارہ نظر آتا ہے، لیکن ایسا نہیں ہے۔ دیانت ریاست کے تحت ایک یورپوں کریک ادارہ ہے۔ اپنے قیام کے بعد سے ہی اس ادارے میں مختلف تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں۔ ۱۹۷۰ء کے کثیر الجماعی نظام میں سیاسی جماعتوں کو یہ احساس ہوا کہ مذہبی جذبات کو دوست میں ڈھالا جا سکتا ہے۔ اسی وجہ سے واکیں اور بائیکیں بازو کی جماعتوں نے مذہبی افراد تک مونپچے کے لیے دیانت فاؤنڈیشن کے اختیارات میں اضافہ کیا۔

۱۹۷۸ء میں دیانت فاؤنڈیشن کو لیکس سے مستثنی کر دیا گیا۔ اس اقدام سے ترکی کے اندر اور باہر دیانت کی سرگرمیوں میں مدد ملی۔ اسی سال یورپ میں ترکی کے سفارتی مشن میں مذہبی اتنا شی اور امام تعینات کے لئے گئے۔ ۱۹۸۰ء کی نوجی بغاوت کے بعد دیانت کو ترکش اسلام (Turkish Islam) کے فروع کے لیے استعمال کیا گیا۔ اس طرح دیانت اور ترکی کا ”معدل اسلام“ ترکی کی خواجہ پالیسی میں سافت پاور کے آئے کے طور پر استعمال ہوتی رہی ہے۔

۲۰۰۲ء میں آق پارٹی نے جمہوریت پسند ایجاد اختیار کیا۔ پھر ہوتی ہوئی میشیٹ، اندر وینی اصلاحات اور دینا میں اسلام اور جمہوریت کی بڑھتی ہوئی مطابقت نے ترکی کو ایک جمہوریت پسند مذہبی قوت ناممکنی حیثیت دی۔ ترکی اس وجہ سے بلتان، یورپ اور صوبائیہ جیسے کچھ خاص ممالک میں اسلامی سافت پاور کھینچنے والے دیگر ممالک کی نسبت زیادہ نمایاں ہو گیا۔ دیانت نے بھی ترک سفارت خانوں کا استعمال کیا اور آسٹریا جیسے ممالک کے ساتھ انہی کی تربیت اور مذہبی خدمات دینے کے معاهدے کیے۔ دیانت نے ۲۰۰۲ء سے زائد ممالک میں دفاتر قائم کیے اور قرآن مجید سمیت دیگر مذہبی کتابوں کے ۲۵ سے زیادہ زبانوں میں تراجم شائع کیے۔ دیانت نے بلتان، وسطی یورپ اور افریقا کے مسلم اداروں کو مالی امداد بھی فراہم کی۔

البتہ یہاں یہ بات بھی لا اق ذکر ہے کہ ترکی اب تک خود کو ایک مستقل اور حصی مذہبی سافت پاور ثابت کرنے میں ناکام رہا ہے۔ ۲۰۱۰ء کے بعد سے آق پارٹی کی سیاسی سمت آمرانہ تبدیل کرنے کی ترغیب دیا بھی شامل ہے۔ اس کے بعد کئی

کوہوت کے دیگر ادارے میزبان ممالک کے مسلمانوں کی مدد کے علاوہ بھی دیگر سرگرمیاں انجام دے رہے ہیں۔

البانیہ کوئی پہلا ملک نہیں ہے جو سمجھتا ہے کہ ترکی کی یہ سرگرمیاں اپردوان کے سیاسی مقاصد کے لیے بھی استعمال ہوئی ہیں۔ جون ۲۰۱۸ء میں آسٹریا کے چانسلری میں چین کرز نے مذہب کی آئیں میں سرگرمیاں انجام دینے کے الزام میں دیانت فاؤنڈیشن کے تحت چلنے والی سات مساجد کو بند کر دیا، اور ۲۰۱۸ء کے اوخر میں صدر اپردوان نے جرم شہر کر دیا۔ ۲۰۱۸ء کے ایک ہزار سے زائد مساجد پلی ہوئی ہیں۔ یورپ کی سب سے بڑی مسجد کا افتتاح کیا۔ جرمی میں ترک حکومت کی امداد سے ایک ہزار سے زائد مساجد پلی ہوئی ہیں۔ دوسری جانب جرم شہر حکومت نے دیانت فاؤنڈیشن کے چھوٹی شروع کردیں کہ ترک امام مکمل طور پر گولن تحریک سے وابستہ افراد پر جسمی کر رہے ہیں۔

یہ تحقیقات صرف جرمی تک محدود نہیں ہیں بلکہ بلغاریہ

سے فرانس تک پورے یورپ میں ہو رہی ہیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مساجد ائمہ کی جانب سے جسمی کرنا قطعاً اسلامی سافت پاور میں شامل نہیں ہے۔ ان تحقیقات سے یہ بھی سانسناہتا ہے کہ دیانت فاؤنڈیشن کے امام اسکے نہیں ہیں بلکہ وہ ترکی کے دیگرین ایوانی اداروں سے بھی شکر ہیں۔

یہ تصور ترکی کی جانب سے خواجہ پالیسی میں سرکاری مذہب کے استعمال اور یاریستوں کے وظائف تعلقات میں سرکاری مذہبی اداروں کے کروار، عوامی سفارت کاری اور ملک سے باہر امراه میں ہے۔ اسی طرح مذہبی خدمات سے خوشی ہے۔ اس وقت ترکی کی بڑھتی یا لگھتی ہوئی سافت پاور اور اپردوان کے امت کے لیڈر بننے کے سیاسی عزم، علمی اور موضوعاتی مباحث کا مرکز بنتے ہوئے ہیں۔

جزف نائے نے ۸۰ کی دہائی میں سافت پاور کی اصطلاح دی۔ بعد میں انہوں نے اس کے تصور میں کمی تراہمیں کیں، لیکن کبھی بھی مذہب کو اس میں باقاعدہ طور پر شامل نہیں کیا۔ جزو ف کے بعد چھوڑی جائیں وہ پہلے اکار تھے، جنہوں نے مذہب اور سافت پاور کے مابین تعلق پر بات کی۔ ان کا کہنا تھا کہ مذہبی سافت پاور میں افراد کو ان کے سیاسی برداشت کرنے کے لیے نہیں ہیں بلکہ دیانت فاؤنڈیشن اور ترک

کیوبا میں مسلمان آبادی کا صرف ۲۰٪ فیصد ہیں۔ اس کے باوجود ترک صدر رجب طیب اپردوان نے ۲۰۱۵ء میں اپنے دورہ کیوبا میں دار الحکومت ہوانا میں استنبول کی اور تاکوئے مسجد کی ہو بہ麟 تعمیر کرنے کی پیشکش کی۔ اس بارے میں ایهام ضرور موجود تھے کہ ترک ڈائریکٹریٹ آف ریلیجس افیرز (Directorate of Religious Affairs) اور اس کی شاخ دیانت فاؤنڈیشن کیوبا میں اس مسجد کو منظم طریقے سے چلا بھی سکے گی یہ نہیں۔ لیکن ترک حکومت نے اس کام کو کامیابی کے ساتھ پورا کیا۔ اس مسجد سے ہوانا کے مسلمان، جن میں اکثریت افریقی ممالک سے آئے ہوئے طلبہ کی ہے، استفادہ کرتی ہے۔ اسی سال سعودی عرب نے بھی کیوبا کی حکومت کو ہوانا میں مسجد تعمیر کرنے کے لیے فنڈ فراہم کی تھے۔ لیکن ترک صدر اپردوان نے واضح کیا کہ ترکی خود یہ مسجد تعمیر کرے گا۔ مسلم دنیا میں اپنے اڑو سوخ اور اسلامی سافت پاور کو بڑھانے کے لیے ترکی اور سعودی عرب کے مقابلے کی مثال ہے۔

اسی طرح ۲۰۱۵ء کے وسط میں دیانت فاؤنڈیشن نے بلقان کی سب سے بڑی مسجد کی تعمیر کا آغاز کیا۔ نازاگاہام کی یہ مسجد البانیہ کے دار الحکومت ترانے میں تعمیر ہو رہی ہے۔ البانیہ مسلم اکثریتی ملک ہے، جوانی آئینی اور مذہبی رواداری کی وجہ سے مشہور ہے۔ یہ مسجد بھی اپنے طریقہ تعمیر میں استنبول کی مساجد میں ہے۔ البانی مسلمانوں کی اکثریت ترکی کی ان دینی خدمات سے خوش ہے۔ ترک صدر نے بھی مسجد کا سنک بنیاد رکھتے ہوئے اسے ترکوں اور البانی مسلمانوں کے برادرانہ تعلقات کی نئی قرار دیا تھا۔ تم پہلوں میں ترکی کے ان اقدامات کے حوالے سے تحفظات پائے جاتے ہیں۔

البانی اسکار بیان احمد نے ۲۰۱۸ء میں ایک رپورٹ جاری کی، جس میں یہ تجویز دی گئی کہ البانی ایجاد کو سلفیت اور اپردوان کے سیاسی اسلام سے بچنے کے لیے ٹھوں اقدامات کرنے چاہیے۔ رپورٹ میں یہ بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ ترکی کی تمام تر مذہبی پالیسیاں مذہبی سافت پاور حاصل کرنے کے لیے نہیں ہیں بلکہ دیانت فاؤنڈیشن اور ترک

عرب دنیا کے طاقتو رتین رہنمائیک کا سفر

گوشتہ سے پیوستہ

فریبک گارڈز

‘سرز میں کا اپنا بیٹا’

تو انہیں ولی عہد کے دربار کا سربراہ بنا دیا گیا، جس کا مطلب یہ تھا کہ ان پر سعودی عرب میں طاقت اور اثر و سوچ کے دروازے کھول دیے گئے اور پھر انگلے ہی سال خصیتی دے کر کابینہ میں وزیر کا عہدہ دے دیا گیا۔ آیا تو ایم بی ایس کے اثر و سوچ میں نہایت تیزی سے اضافہ ہوئے۔

جب جنوری ۲۰۱۵ء میں شاہ عبداللہ کا انتقال ہوا تو ان کا جانشین خاندان کی طاقتو رسیدری شاخ سے تعلق رکھنے والے ان کے سوتیلے بھائی سلمان کو بنا دیا گیا۔ جب نئے بادشاہ نے اقتدار سنبھالا تو اس وقت وہ ۸۰ برس کے ہونے والے تھے۔

شہزادی سلمان کے لاؤ لے بینے محمد کو بہت جلد نہ صرف وزیر دفاع مقرر کر دیا گیا بلکہ شاہی دربار کا مکرڑی ہزل بھی بنا دیا گیا۔ اس وقت سعودی عرب کا پیغمبری سرحد پر پڑھتی ہوئی کشیدگی کا سامنا تھا۔ سرحد پر بینک کے شاخی پہاڑی علاقے سے تعلق رکھنے والے جوئی قبیلے کا ایک گروہ آگے پڑھتا ہوا راجحوم صنعتیں بھی چکا تھا، جبکہ ملک کے زیادہ تباہی والے تمام مغربی علاقے مختب صدر اور ان کی حکومت کی گرفت میں تھے۔

ایران کے ساتھ خوشیوں کے نظریاتی اور نہایتی تعلقات نے سعودی عرب کی نیزدیں اڑا دیں۔ اور کئی اہم شہزادوں سے بات کیے بغیر اور سعودی اتحادیوں کو خود دار کیے بغیر، مارچ ۲۰۱۵ء میں محمد بن سلمان نے آؤ بیکھانہ تاذ اور مہماں لک کا اتحاد بنا کر خوشیوں کے خلاف فضائی بمباری شروع کر دی۔

سرکاری سطح پر سعودی عرب کی توجیہ یہ تھی کہ وہ بین میں اس حکومت کو بحال کرنا چاہتا ہے، جسے اقامت خودہ بھی تسلیم کر سکتی ہے، تاہم اپنے جس متفقہ کا سعودی عرب نے اقرار نہیں کیا وہ ایران کو یہ واضح پیغام پہنچانا تھا کہ سعودی عرب اپنی شاخی سرحد پر ایسے کسی گروہ کا قبضہ برداشت نہیں کرے گا، جسے ایران کی پشت پانی حاصل ہو۔

سعودی عرب کا خیال تھا کہ بین میں فوجی کارروائی سو بیت یونیون کے زمانے کے چھوٹے موٹے تھیار رکھنے والے بے سرو سامان ہجگزوں کے ایک گروہ کے خلاف فوری اور فیصلہ کن کارروائی سے زیادہ نہیں ہوگی۔ لیکن ہوا اس کے عکس، بین کی لڑائی ایک ایسا دل بابت ہو رہی ہے، جہاں نہ صرف سعودی خون اور سرمایہ ضائع ہو رہا ہے بلکہ اس سے بین کی تباہ ہو رہا ہے۔ زیمنی حالات کو دیکھا جائے تو ابھی تک سعودی قیادت میں قائم فوجی اتحاد کو بین میں کوئی خاص کامیابی نہیں ملی ہے۔ آج تقریباً پانچ سال گزر جانے کے بعد بین جنگ کی وجہ سے تکڑے تکڑے ہو چکا ہے اور ہزاروں لوگ مارے جا چکے

انھوں نے قانون میں بچلر کی ڈگری حاصل کی۔ کی بھرین کہتے ہیں کہ شہزادے کے اس فیصلے نے ان کی مدد بھی کی اور پیغمبر اسلام کی راہ میں رکاوٹ بھی ثابت ہوا۔

سعودی لوگ بہت زیادہ محبت وطن ہوتے ہیں، اور چونکہ محمد بن سلمان نے اپنی ساری زندگی ملک کے اندر گزر اری ہے، اس لیے لوگ انہیں وطن کا بیٹا سمجھتے ہیں۔ لیکن اس کا تھانہ یہ ہوا کہ کئی سال تک ایم بی ایس کی انگریزی کمزور رہی اور ان میں دیگر شہزادوں کے بر عکس آج تک کبھی مغربی ذہبیت کی گھری فہریبی نہیں ہو پائی ہے۔

ایک ایسے ملک میں جہاں مردوں کے لیے چار بیویاں رکھنا کوئی غیر معمولی بات نہیں، ایم بی ایس نے ایک ہی الہیہ پر اتفاق کیا ہے۔ انھوں نے ۲۰۰۹ء میں اپنی کزن شہزادی سارہ بہت مشور بن عبدالعزیز سے شادی کی، جن سے اب ان کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ اور جہاں تک ایم بی ایس کے اپنے بیوی بیویوں کا تعلق ہے، تو انھوں نے اپنے خاندان کو لوگوں کی نظر وں سے کمل طور پر پختی رکھا ہے۔

یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ وہ سعودی شاہی خاندان کے ہزاروں افراد میں سے، اور قانون کے ایک گنام طالب علم سے دیکھتے ہیں دیکھتے اتنے زیادہ طاقتو روی عہد کیسے بن گئے؟ اس سوال کا جواب شاطر ان سیاست، ان کے والد کی خاص مہربانی اور خود محمد بن سلمان کے کردار کی بے پناہ قوت کے اعتراض میں ملتا ہے۔

ابھی محمد بن سلمان صرف ۳۳ برس کے تھے اور انھوں نے اپنی جماعت کے ابھی طالب علموں کی طرح اپنی ڈگری کامل ہی کی تھی، کہ ان کے والد نے انھیں بڑے عہدے کے لیے تیار کرنا شروع کر دیا۔

ایم بی ایس نے اپنے والد کے فائز میں کام شروع کر دیا، جہاں وہ ریاض کے گورنر کی حیثیت میں اپنے والد سے کام سیکھنے لگے۔ اس دوران شہزادے نے بڑی توجہ سے سیکھا کہ شہزادہ سلمان ہجگزوں کا انصیفیہ کیسے کرتے ہیں، مختلف فریقوں کے تباہ میں دریانی راہ کیسے نکالتے ہیں اور یوں انھوں نے سعودی ریاست کو چلانے کے گریکھنا شروع کر دیے۔

۱۹۹۰ء کی دہائی کے وسط میں محمد بن سلمان کو جن اساتذہ نے نیوش پڑھائی، ان میں رشید سکنی بھی شامل ہیں، جو آج کل بی بی سی میں کام کرتے ہیں۔ رشید سکنی بتاتے ہیں کہ انہیں اچھی طریقہ یاد ہے کہ کیسے روزانہ ایک شاہی ڈرائیور میں کا گزرا جو وقت موجود تھی۔

بات کرتے ہوئے انھوں نے بتایا کہ محل کے ختم پہرے والے مرکزی دروازے سے گزرنے کے بعد ایسے شاندار بنگلوں کا سالسلہ شروع ہو جاتا کہ آپ کامنہ کھلا کا کھلا رہے جائے۔ سفید و روی میں ملبوس ملازم ان بنگلوں کے سامنے لگی گھاس اور پودوں کی باریکی سے تراش خراش کرتے دکھائی دیتے۔ وہاں ایک کار پارک بھی تھا جس میں قطار درقطار دنیا کی ملکی ترین گاڑیاں کھڑی ہوتی تھیں۔

محمد بن سلمان کو پڑھانے والے کچھ اساتذہ کا کہنا تھا کہ وہ ایک ذہین شاگرد تھے، جو ہمیشہ بڑی توجہ کے ساتھ نہیں بنا تھے، لیکن رشید سکنی کے خیال میں شہزادے کا دھیان سبق سے زیادہ محل کے حافظوں کے ساتھ وقت گزارنے میں ہوتا۔ لگتا ہے کہ انھیں اس بات کی اجازت تھی کہ وہ جو جی میں آئے کریں۔ ان جیسے دیگر شہزادوں کی طرح جب والد نے محمد بن سلمان کو پڑھائی کے لیے امریکا یا برطانیہ جانے کی پیشکش کی تو شہزادے نے انکار کر دیا۔ اس کے بر عکس انھوں نے سعودی عرب کی رنگ سعد یونیورسٹی جانے کا فیصلہ کیا، جہاں سے

اور ہوٹل کے ان نئے مہمانوں، کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی آزادی کی قیمت کے طور پر مبینہ طور پر غیر قانونی ذراائع سے کامے گئے اربوں روپیاں واپس کریں۔ لیکن ایمانی ایس کے نادین کہتے ہیں کہ ان لوگوں کو حراست میں لینے کی وجہ پر عوامی نہیں تھی، بلکہ ایم بی ایس طاقت کے اس برہمن اطمینان کے ذریعہ ہر اس شخص کو خاموش کر دینا چاہتے تھے، جو انھیں چیخ کرنے کا موقع ساختا تھا۔ اس کارروائی کے ساتھ ساتھ ایم بی ایس نے وفات پا پچھے شاہ عبداللہ کے کبھی طاقتو رہ پچھے خاندان کی شاخ سے تعلق رکھنے والے سینئر شہزادوں کے خلاف بھی اقدامات کیے۔

تب سے وہ ملکی دفاع اور یکورٹی کے تینوں محکمے یعنی پیشہ گارڈ، وزارتِ داخلہ اور فوج کو اپنے کنٹرول میں لا چکے ہیں۔ بظاہر ایم بی ایس اب فیصلہ کن قوت رکھتے ہیں۔ بڑی بڑی شخصیات کو پکڑ کر رنگ کار لٹن میں بند کر دینے نے کاروباری دنیا کو ہلاکر رکھ دیا اور غیر ملکی سرمایہ کا روپ کو بھی پریشان کر دیا۔ اب لوگوں کو کیسے معلوم ہو کہ سعودی عرب میں کس شخص کے ساتھ کاروبار کرنا محفوظ ہے؟ اگر گرفتار کیے جانے والا شخص کون ہو گا؟

اس بے شکنی کے باوجود سعودی لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے ایم بی ایس کی ان کارروائیوں کو بہت سراہا۔ سعودی عرب نے ایم بی ایس کی ایک بڑی آبادی، خاص طور پر ملک کے جنوبی حصے کے شہری غربت کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ اسی لیے جب لوگوں نے یہ مناظر دیکھ کر محمد بن سلمان نے کس طرح ان تاجر ووں اور شہزادوں کو پکڑ کر رکھ دیا تھیں کوئی تھوڑی نیس لگا سکتا تھا، تو ملک کے اندرا یکم بی ایس کے حامیوں میں مزید اضافہ ہو گیا۔ ایک اور چیز جس سے ملک کے اندراں کی مقبولیت میں تیل سے آمدن کے علاوہ دیگر معماشی شعبوں کو بھی ترقی دے رہے ہیں۔ ایم بی ایس نے معيشت میں تنوع پیدا کرنے کے لیے سعودی عرب کو ایک ایسا ملک بنانے کی کوشش کی ہے جہاں زیادہ سے زیادہ سرمایہ کاری ہو اور کم تجوہ پر کام کرنے والے لاکھوں سعودی نوجوانوں کو روزگار کے بھجھے موقع میں۔

ایم بی ایس کا ووٹن ۲۰۳۰ء مخصوص نہایت پر عزم ہے۔ اس پروگرام میں مستقبل ترقیب کا ایک ایسا تصور پیش کیا گیا ہے، جس میں سعودی عرب یورپ، ایشیا اور افریقا کو جوڑنے والا عالمی مرکز بن جائے گا۔

ووٹن ۲۰۳۰ء میں تفریخ کے شعبے کو فروغ دینے کے لیے

پیشہ گیسی انسانی حقوق کی تفہیموں کی آواز میں آواز ملارہ ہے، جو بین میں ہونے والی ملکتوں کو مظہر عام پر لارہی ہیں۔ پانچ برس کے اندر راندر بین کی صورت حال دنیا کے سب سے بڑے انسانی بحران کی ٹھنڈی اختیار کر رکھی ہے۔

طااقت اور اس کا اطمینان

ہیں۔ وہاں خدا کی قلت، ہیضہ اور دیگر اراضی و بائی ٹھنڈی اختیار کر رکھے ہیں اور تقریباً دو کروڑ لوگ، یعنی ملکی آبادی کا دو تھائی حصہ، عالمی امداد کا طلبگار بن چکا ہے۔ لیکن سرحد کے درمی طرف، سعودی عرب کے اندر محمد بن سلمان کی مقبولیت میں اس وقت تیزی سے اضافہ ہو گیا، جب انھوں نے بین میں چڑھائی کا آغاز کیا۔ ایم بی ایس کے پاس کسی قسم کا کوئی فوجی تحریج نہیں تھا، لیکن سعودی اٹی وی پر انھیں ایک ایسے نجہد شہزادے کے طور پر دکھایا گیا جو فیصلہ سازی کی قوت سے مالا مال ہے اور ہر قدم ملکی مفاد میں اخخار ہاہے۔

شروع شروع میں مغربی ممالک بھی ایم بی ایس کے اقدامات کے زبردست حادی تھے۔ امریکا نے سعودی عرب کو خفیہ معلومات کے ساتھ ساتھ عسکری ساز و سماں بھی فراہم کیا جبکہ برطانیہ نے ہمیکی مدد کے علاوہ سعودی افواج کو ان آلات اور عسکری سازوں میں کو استعمال کرنے کی تربیت اور محافظت بھی فراہم کی، جو برطانوی الحجہ ساز کمپنی بی اے اسی میں نے سعودی عرب کو فروخت کیے تھے۔ اس کے علاوہ برطانیہ کی رائل ائر فورس کے دوسکوڑاں لیڈر بھی ریاض میں قائم اتحادی فضاہی ائر پیشہ کے مرکز میں تینیں کیے گئے، جن کا کام سعودیوں کے ننانے کرنے کے طریقہ کار کی گئی تھا، اگرچہ برطانوی وزارت دفاع کا اصرار ہے کہ انھوں نے اہداف مختسب نہیں کیے۔

سعودی فضاہی کی بمباری اکثر ویشنٹر خامیوں سے بھرپور پائی گئی ہے۔ ان جملوں میں عسکری اہداف کو ننانہ بنانے کے ساتھ ساتھ، کئی اپیٹا لوس، جیازوں، رہائشی علاقوں اور اسکوں کی بسوں کو اڑا کر رکھ دیا گیا۔ اقوام متحده کے اندازے کے مطابق یہیں میں بلڈک ہونے والے عام شہریوں میں اکثر ہتھیاری ہے جو سعودی اتحادی فضاہی بمباری میں مارے گئے۔ سعودی عرب پر یہ اڑام بھی ہے کہ اس نے غیر فوجی علاقوں پر ٹکٹر بھی چھکیے ہیں۔ دوسری جانب جو ہیوں پر بھی جنگی جراحت کے اڑکاب کے اڑامات ہیں، جن میں بغیر سوچے سمجھے بارودی سرگیں بچھانا، کم عمر لاکوں کو سپاہی بھرتی کرنا، گھروں پر بمباری اور متاثرین کے لیے آنے والی امداد کو اپنے قبضے میں لیا شامل ہے۔ سعودی عرب کا کہنا ہے کہ تیر ۲۰۱۹ء تک جو شہری پارسے نہ صرف ۲۲۰ سے زیادہ بیلٹک میراں داغ پچھلے ۵ دھماکا خیز ڈروز بھی بھیج پکھے ہیں۔ تاہم یہ حملے سعودی قیادت میں قائم فوجی اتحادی فضاہی مکالمہ کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مغربی ممالک میں لوگ بہتری اس ساری کارروائی کا مقصد بد عنوانی کی بیخ نکی بتایا گیا،

شہنیات اور دیگر ایک لوگوں کی گرفتاری کے احکامات جاری کر دیے گئے۔ ان لوگوں پر نہ کوئی اڑامات، عائد کیے گئے، نہ جیل بھیجا گیا، بلکہ ان سب کو ریاض کے پریشان نز کار لٹن ہوں میں محصور کر دیا گیا۔ کچھ افراد کو قوی یہاں تک محصر رکھا گیا۔

معارف فیصلہ

۱۲۰ صدر ڈیلڈر مپ ابھی تک سعودی عرب کے کچے اتحادی ہیں۔ امریکی کانگریس سعودی عرب کوئی ارب ڈال کا سلو فروخت کرنے کے معابدے کو روکتے کی ناکام کوشش کرچکی ہے، لیکن اسے اس میں کامیابی نہیں مل۔ صدر ڈیلڈر مپ نے کانگریس کی اس کوشش کو معاشری اور اسٹریٹیجیک بنیادیوں پر درکردی تھا۔ سعودی مارکیٹ کی وسعت، اور ایران کے توسعہ پسندانہ اقدامات کے خلاف اسے ایک مصوبہ بند کرنے کا مطلب ہے کہ مغربی رہنماء سعودی عرب پر تقدیم ہمیشہ زرم المفاظ میں ہی کریں گے۔ لیکن اس کے باوجود مغربی علاوہ ایک طرف سے سعودی عرب میں انسانی حقوق کی صورتحال پر تقدیم کی وجہ سے ریاض میں اضطراب پیدا ہو چکا ہے۔ اسی لیے سعودی عرب نے صورت حال پر قابو پانے کی کوششی شروع کر دی ہیں۔

مشائخ اور ایک ریاست بندارالسعودی کو امریکا میں سعودی عرب کا سفیر تعینات کیا گیا ہے، جونہ صرف ملک کی پہلی خاتون سفیر ہیں بلکہ ایک ایسی شخص کا روابری شخصیت ہیں، جو کئی سال تک امریکا میں مقیم رہتی ہیں۔

یوں اس دارالحکومت میں جہاں ارکان کانگریس اور دیگر لوگ امریکا اور سعودی عرب کی شراکت داری کے جواز پر سوال اٹھا رہے ہیں، وہاں عوامی سٹریٹ پر سعودی سفارت کاری کی شاخت ایک تجربہ کار اور پر اعتماد خاتون کو بنا دیا گیا ہے۔ لیکن سعودی عرب روس، چین اور پاکستان کے ساتھ شراکت کے امکانات کا بھی بڑی مستعدی سے جائز ہے۔ یہ مالک سعودی عرب میں انسانی حقوق کے حوالے سے کبھی ایسے سوالات نہیں اٹھاتے جن پر اسے خفتہ کا سامنا کرنا پڑے۔

گزشتہ ۱۴ ماہ کے دوران امریکی اتمی عرض حکام اور اقوام متحدہ کی خصوصی نمائندہ یمن کیلامارڈ سمیت کئی ختیارات اور اقدامات منظر عام پر آپکے ہیں، جن سے یادوگانی ہوتی ہے کہ مغربی دنیا کے ندویں جمال خانجی کے قتل کا حکم ذاتی طور پر ایم بی ایس نے ہی دیا تھا۔ ایگنس کا اصرار ہے کہ آخر کار اس قتل کا ذمہ ایم بی ایس کو ہی پھرایا جانا چاہیے۔

لیکن ملک کے اندر محمد بن سلمان کا جادوسرچہ کر بول رہا ہے۔ ایک بھروسے کے بقول اُپ سے ۲۵ سال کے درمیان کسی شخص سے بات کر کے دیکھ لیں، یہ سب ایسیکہ ہیرہ سمجھتے ہیں۔ ایم بی ایس نے جو معاشرتی تبدیلیاں کی ہیں اور جس طرح مذہبی بنیاد پرستوں کی طاقت کو ختم کر رہے ہیں، یہ چیزیں نوجوانوں کو بہت اچھی لگ رہی ہیں۔

باقی صفحہ نمبر ۱۳

جہاں تک کسی منصوبے کے تحت نے شہر بنانے کا تعلق ہے، تو سعودی عرب کا سوچالے سے کوئی شاندار لیکارڈ نہیں رہا ہے۔ غنچے میں میم ایک ماہر معاشریت کے بقول اُپ لگ عبد اللہ اکنا مکٹنی کی ہی مثال لے لیں۔ منصوبے کے مطابق ۲۰۲۰ء تک اس شہر کی آبادی ۱۲۰ لاکھ ہونا تھی، لیکن ابھی تک یہاں صرف ۸ ہزار لوگ آباد ہوئے ہیں۔ اس لیے میراجوہ نبی میں ہو گا، وہ اپنے اس اقصادی خواب کو گلی ٹھکنیں دے سکتے۔ اس کے باوجود نیکم کا شہر بننے کا طور پر تعمیر ہو گا، لیکن اس پر کام کی رفارست رہے گی۔ اس حوالے سے ابھی بہت پچھا اور پر لکھا ہے۔ کیا یہ شہر میکی سرماٹے کو اپنی جانب سمجھ سکتا ہے اور کیا یہاں روزگار کے بہت زیادہ موقع پیدا ہو جائیں گے، ان اندازوں پر ابھی بہت بڑے سوالات موجود ہیں۔

اس سب کا نتیجہ تمہارے شہر کے شہل شرقی کرنے میں جہاں تک بھیرہ احر کا نیم گرم پانی مصر، اردن اور اسرائیل کے ساحلوں کو چھوتا ہے، وہاں ۲۰ یوں صدی کے قاضوں سے ہم آہنگ ایک بہت بڑا شہر بنانے کا منصوبہ بھی اس میں شامل ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں آج تیز صحرائی ہواں سے بکھرتی ریت اور سیاہ چٹانیں ہیں، جہاں پہلی عالمی جنگ کے دوران تھامس ایڈورڈ لارنس (لارنس آف عربیہ) اور عرب فوج اپنے اس وقت کے ترک شہنوں سے نیڑا آرٹھی، میں اس جگہ پر ۵۰ ہزار ڈالر کے تعمیراتی منصوبے کو عملی جامہ پہنیا جائے گا۔ جو سرحد کے آپ پر ۶ ہزار مربع کلومیٹر پر پھیلا ہو گا۔ نیوم ہنایی یہ شہر تاجدید یہ ہو گا کوہاں ہر طرف درزدار ہے ہوں گے، ڈرائیور کے بغیر چلنے والی کاریں ہوں گی، آپ کا ہاتھ بٹانے کے لیے قسم قسم کے روپوٹ ہوں گے ہم صنعتی ذہانت کا دور دوڑہ ہو گا، شہری تو انکی سے لیس ماحول دوست مکان ہوں گے، بائیو یکنان الوجی ہو گی اور اثر نیٹ آف تھکنے یعنی چیزوں کا اثر نیٹ بھی ہو گا۔

حکومت کے مطابق یہ شہر ۲۰۲۵ء تک معرض وجود میں آچکا ہو گا، لیکن کچھ ماہر معاشریت کو ان اندازوں پر مشکل ہے۔ ان میں سے ایک ماہر کا کہنا ہے کہ ٹھنڈی، یہ بالکل بھی حقیقتی نہیں۔ کسی دیگر بھروسے کی طرح نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر ایک غلبی بھروسہ کا ہنا تھا کہ خانجی کے قتل نے سعودی عرب کو قاتلوں کے کلب میں شامل کر دیا ہے۔ بظاہر اس واقعے نے ایم بی ایس کو تدقیقی، صدام حسین اور بیتلزال سد کی صاف میں لاکھڑا کیا ہے اور یہ وہ کلب ہے جس میں سعودی عرب کو اس سے پہلے کبھی بھی شامل نہیں کیا جاتا تھا۔

غنچے سٹریٹ پر سعودی عرب کے ساتھ بہت سے لوگ کاروبار کر رہے ہیں کیونکہ سعودی عرب کی معیشت بڑی ہے اور یہ ملک اتنے پرکشش نیکیدتا ہے کہ مغربی تاجران سے الٹارنیس کر سکتے۔ امریکی

سوشلسٹ ریاست میں بادشاہ بننے کی خواہش

Alexander J. Motyl

تاریخی غلط یا نئی سے کہ کبیو ازس روپیوں کے باپ دادا تھے سلطنت کی قانونی حیثیت میں اضافہ ہو جائے گا۔

جب روی سلطنت ایک بار عتمانی ترکوں اور ان کے اتحادی کریمین تاتاروں سے رابطے میں آئی تو دونوں بڑی طاقتوں کے درمیان تباہنا گزیر تھا پیر کے بعد روں نے بھرہ اسود میں اپنی سلطنت کو مرید و سچ کر دیا، جس کی وجہ کمزور ہوتی عثمانی خلافت اور روس کا ترکوں کو عیسائی دین سمجھنا تھا، اس میں جیواسٹریجک ضروریات کے لیے باسفورس پر کنٹرول حاصل کرنا بھی اہم تھا دوسروں کی کمزوری اور ترقی اور روس کی توسعہ بندی کی وجہ سے انسویں صدی میں روس وسط ایشیا اور تھفڑاڑ پر تباہ ہو گیا۔ بہر حال یہ سلطنت ۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۰ء کے درمیان تباہی کا شکار ہو گئی۔

سلطنت میں دو طریقے سے ختم ہوتی ہیں، کمزوریوں کی وجہ سے وقت کے ساتھ ساتھ علاقتے چھن جاتے ہیں۔ نوآبادیات کے ملے سے جنم لینے والی ریاستوں کے اپنے سبق حکمران سلطنت سے بہت بحد و معماشی، عسکری، شفاقتی، سیاسی تعلقات ہوتے ہیں، یہ ریاستیں بہت کم ہی اپنے کھوئے ہوئے علاقتے واپس لینے کی کوشش کرتی ہیں، کیوں کہ انہوں نے سلطنت کے خاتمے سے بہت پہلے ہی اپنے علاقوں کو کھو دیا تھا خلافت عثمانیہ اس کی اچھی مثال ہے، عثمانیوں کا زوال ۱۹۲۳ء میں ویانا کے ناکام محاصرے سے شروع ہوا اور یہی جنگ عظیم کے آغاز پر سلطنت مکمل طور پر ختم ہو گئی، اس سلطنت کی نہیا پر ۱۹۱۹ء میں ترکی کے نام سے ایک ریاست وجود میں آئی اس نئی ریاست کا بنیادی پہلو یعنی میانہ بیانی آزادی دور ان کھوئے ہوئے علاقوں کو واپس لے لیا تھا بلکہ اپنی آزادی کا دفاع کرنا اور یونانی اور آرمنیائی قبیلوں سے اپنی رحدوں کے اندر بہتر انداز میں نہ مٹانا تھا سلطنتوں کے خاتمے کا دوسرا طریقہ یہ ہے، پہلی دی گریت نے روی سلطنت قائم کی، جو ۱۹۲۱ء سے ۱۹۲۳ء کے درمیان اپنی توسعہ کے عروج پر پہنچ کر ختم ہو گئی۔ ویسے بھی سامر ایج طاقتوں کے اچانک اور مکمل خاتمے کی توقع ہمیشہ موجود ہوتی ہے، بالیک روس کے سابق نوآبادیات کے ساتھ معماشی، عسکری، شفاقتی اور سیاسی تعلقات کافی مضبوط رہے، بالیکوں نے سلطنت کو دوبارہ اکٹھا کرنے کی محض چالائی اور ۱۹۲۳ء میں سوویت یونین قائم ہو گیا۔ سوویت یونین، بزرگ بیشتری میانہ لگانے والوں کو باچوں کے دو راقدار میں ٹوٹ گیا۔ ۳۱۔ ۱۹۹۱ء کو ریاست کا راتوں رات خاتمہ ہو گیا، جس کے نتیجے میں آزاد ریاستوں نے جنم لیا، لیکن

اچانک سے خاتمہ ہو گیا تاریخ پیچیں تو پتا چلتا ہے کہ روس کے قومی مفادات ہمیشہ بدلتے رہے ہیں اسی صدی کی ریاست ماسکووی نے ہی جدید روں کی بنیاد ڈالی ہے یا ایک انتہائی چھوٹی ریاست تھی، جو پڑوں میں موجود دیگر چھوٹی ریاستوں کو بخش دے کر طاقتوں ہن گئی یہ لوگ سخت جان مغلوں کے نام سے جانے جاتے ہیں ۱۳۸۰ء میں دتری ڈونکوف نے کلیوکو میں مغلوں کو بخش دے دی تھی۔

۲۰۱۹ء کے حالات کو دیکھتے ہوئے ایسا لگتا ہے کہ روس کی ہمیشہ سے ایک ہی پالیسی رہی ہے اور مستقبل میں بھی رہے گی، کسی طرح داخلی صورت حال کو آمراہانداز میں قابو کیا جائے اور جزوی دنیا کے ساتھ سامراجی روایہ اختیار کیا جائے کیونکہ روسی صدر پوٹن بھی اسی حکمت عملی کے مطابق، روس کے سابق حکمرانوں کی طرح آمراہانداز سامراجی پالیسیوں پر عمل جاری رکھے ہوئے ہیں اور اپنا ایجاد آگے بڑھا رہے ہے ہیں، جس کے مضر ایلات مغرب پر واضح ہیں اگر پوٹن دیگر روی حکمرانوں کی طرح اپنی پالیسی پر کاربندر رہتے ہیں تو اس کا رعیل آن آمراہانداز سامراجی رویے کے ساتھ مصلحت کرنا یا جنگ کرنا ہو سکتا ہے، لیکن کوئی بھی جنگ نہیں چاہتا گیں کیا، ہو گا اگر پوٹن روی قومی مفادات کے مطابق پالیسی پر کاربندر نہیں رہیں تو وہ بھی دوسرا رہنماؤں کی طرح تاثراتی، نظریاتی اور اداروں کے دباؤ کا شکار ہو سکتے ہیں؟ یہ دباؤ ایسے تاریخی واقعات کا بھی ہو سکتا ہے جو پالیسی کی تکمیل میں فیصلہ کر کر دارا دا کرتے ہیں۔ لیکن ضروری نہیں کہ یہ پالیسیاں ملک کے ہمترین مفاد میں بھی ہوں روس کی تعریف کرنے والے جانے ہیں کہ کوئی بھی ریاست ہمیشہ ایک جیسے مفادات کے حصول کے لیے کوشش نہیں کرتی، کیوں کہ ریاستوں اور ان کے اطراف میں حالات مسلسل تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ روس آج سے چھ سالاں قبل والا ماسکووی نہیں، مغلوں مغربی لوگ نہیں تھے، پچھلی میانہ تھوڑے تھیں اس دوران میانہ تھے، تھیں اس طرح یوکرائن کی نظریں پڑی تھیں اس دوران تزویریاتی و پوچھی کے خلطے میں تبدیل ہو گیا پہلی دی گریت نے فرق پڑتا ہے تو خارجہ پالیسی میں سیاسی و جنگ افریقی تو قومی مفادات، نظریات، طرز حکمرانی، رہنماء کی شخصیت، تاریخی واقعات، سیاق و سماق اور دیگر عوامل اہمیت اختیار کر جاتے ہیں۔ روس کی خارجہ پالیسی کو سمجھنے کے لیے اس کے تاریخی ارتقا کا جائزہ لیما ضروری ہے سب سے اہم بات یہ ہے کہ موجودہ روس کو سودہت یونین کا وارث سمجھا جاتا ہے، ایک انتہائی مرکزیت پرند ریاست جو غیر روی ریاستوں کی داخلی اور خارجی پالیسیوں کا تعین کرتی تھی اور پھر اس سلطنت کا

محال ہو گئی۔ آج کاروس ایک عظیم عالمی طاقت ہے، لیکن دوبارہ سے ایک حقیقی سلطنت قائم کرنے کی طاقت سے محروم ہے، یہ چھوٹے ممالک یا کسی ملک کے کسی حصے پر قبضہ کر سکتا ہے، جیسے ایشونیا اور لٹیا، لیکن روس قازقستان، ازبکستان اور پوکارائیں جیسے ممالک پر دوبارہ سے قابض نہیں ہو سکتے، یہ واضح نہیں کہ روس بیان روس کو دوبارہ قبضہ کر سکتا ہے یا نہیں، بدقتی سے ایک عظیم سلطنت دوبارہ قائم کرنے کی خواہش روس اور اس کے پڑوی ممالک کو غیر مختار کر سکتے ہے۔

پوشن کے جغرافیائی و میاسی عزم کافی بلند ہیں، وہ افریقا سے مشرق و جنوب توسعہ چاہتے ہیں، لیکن روس کی کمودری میں عزم کی تجھیں میں بہت بڑی رکاوٹ ہے اس طرح کے سامراجی عزم کے ساتھ لے عرصے تک استحکام قائم رکھنا ممکن نہیں ہوتا اس لیے وہ وقت زیادہ دور نہیں جب ان کی خاصیت پالیسی کے اهداف Leonid Brezhnev کے سوویت یونین سے مماثلت اختیار کر جائیں گے، اس کے نتیجے میں روس منظم پاگیر منظم اخلاق پر مجبور ہو جائے گا۔

اہم بات یہ ہے کہ پوشن نے ایک ایسی شفاطی ریاست تعمیر کی ہے جو اپنے ملک کو اپنے ملک کی مدد کرنے کے ترتیبی کرنے کے قابل نہیں، یہ صرف جبر کی صورت میں کام کرنے میں ماهر ہے پوشن نے ریاست کی تباہی کو روکے رکھا ہے، جب وہ اقتدار سے رخصت ہو جائے گا تو ان کی اندر وہ کمودریاں آشکارا ہو جائیں گی، پھر چاہے وہ جا طلب اشرافیہ ہو یا مایوسی عوام، وہ جملے کے لیے پوری طرح میاں ہوں گے تمثیری ہے کہ پوشن روس کا سب سے بڑا امن بن کر بھرا ہے، کیوں کہ وہ روس کو آمرانہ سلطنت بنانے کا حلم رکھتا ہے، یہ کہ دار ہے جو زیادہ عرصے جاری نہیں رکھا جاسکتا۔ (ترجمہ: سید طالوت خنزیر)

"Putin May Want to Be an Emperor, but Russia Isn't an Imperial Power".
("Foreign Policy", Oct. 28, 2019)

امکان اپنائی بڑا دی تھا مغرب کا اسٹریجیک مقصد جہوری اور توسعہ پسندی کو ترک کر دینے والا روس ہے، اس کے لیے غیر روی ریاستوں کو خوشحال اور مضبوط بنانا ہو گا تا کہ وہ روی سلطنت کے خلاف مراجحت کر سکیں اور ماسکو کو دوستہ و باہمی فائدوں پر مبنی تعلقات استوار کرنے کے لیے تیار کر سکیں اس صورتحال میں کس طرح مغربی اور روی پڑوی ممالک پوشن کے سامراجی عزم سے منشی کی حکمت علی بنا سکتے ہیں؟ اول تو انہیں یہ کہہ کر روی سامراجی رویے کو مزیدہ ہو انہیں دینیا چاہیے کہ روس اپنے قومی مفادات کی تجھیں کے لیے پڑوی ممالک پر سلطنت قائم کر رہا ہے، اس سے سامراجی منصوبے کو قانونی حیثیت ملتی ہے۔ توسعہ پسندی روی کے مستقل قومی مفادات میں نہیں ہے، تمام سابق سامراجی سلطنتوں کی نظریاتی مہم آخر کار ختم ہو جاتی ہے، ایسا ہی روس کے ساتھ ہی ہو گا، سوائے اس کے کمگرا مغربی پالیسی ساز اس عمل میں رکاوٹ بن جائیں دوسری یہ مغرب کو روس اور سابق روی ریاستوں کے ساتھ نہیں۔ بالآخر رویہ کو عام طور پر اور ان کی اشرافیہ کو خاص کرائی سلطنت کا خاتمه ایک تذیل محسوس ہونے لگا اور وہ اپنے ممالک کو دوبارہ سے عظیم بنانے کا عزم کرنے لگے۔ پوشن اور ان کے پیشوں بورس میلن کی جانب سے سامراجی سلطنت دوبارہ قائم کرنے کی کوشش جھوڑی جیرت اگیزتی۔ بورس میلن کی جانب سے زم پالیسی اختیار کی گئی۔ "کام و پلٹھر" کی آزاد ریاستوں میں کرکٹ میں کفروغہ دیا گیا اور غیر روی ریاستوں میں موجود روی اقویتوں کو مضبوط کیا گیا۔ لیکن بورس میلن نے سوویت یونین کے خاتمے کے بعد معاشر تباہی کے دور میں ملک کی قیادت کی، اس دور میں ملک میں جرم اور بد عنوانی میں بے تحاشا اضافہ ہوا۔

پوشن ٹھیک وقت اور صحیح جگہ کے حوالے سے خوش قسم رہے، جب وہ وزیر عظم اور صدر بنے تو تیل کی قیمتیں آسان پر پہنچنے کے باعث روی میں سوویت یونین کے خاتمے کے بعد معاشر اینیں طاقتور حکمران کے طور پر کو دار اور اکرنے کے قابل بنا لیا اس تاظر میں پوشن کا کریمیا سے الحاق اور شرقی یوکرائی میں جنگ کرنا روس کے مستقل مفادات سے کوئی خاص تعلق نہیں رکھتا پوشن ایک بارہم روی کو طاقتور بنانا چاہتے ہیں، جس کے نیٹو اور مغربی ممالک مختلف ہیں۔ پوشن نے انتساب کی وجہ سے کمودریوں کی ریاست کو تو انکی کے حوالے سے اپنے وسائل تیار کرنے میں مدد کی جانی چاہیے۔ کم از کم مغرب کو ٹرمپ کی طرح پوشن کے لیے دوبارہ سے "نورڈ اسٹریم" کی طرز کی پاپ لائن کی حمایت نہیں کرنی چاہیے بدقتی سے مغرب کو بھی روس کے حوالے سے بذریں صورتحال یعنی ملک کی ٹوٹ پھوٹ اور کامل خاتمے کے لیے خود کو تیار کرنا ہو گا ۱۹۱۸ء میں سلطنت کے خاتمے کے بعد روس نے آزاد غیر روی ریاستوں کے ساتھ دوبارہ تعلقات استوار کر لیے اور اپنائی آسانی و تیزی کے ساتھ پرانی سامراجی ریاست

اسلامک ریسرچ اکیڈمی کی شائع کردہ میں کتاب
عالی مسائل کے ناظر میں
پاکستان کی خارجہ پالیسی
پروفیسر ڈاکٹر سید صالح الدین احمد
قیمت: ۳۰۰ روپے
لکھنؤ بک سینٹر، D-35، بلاک-5
فیڈرل بی ایسیا، کراچی
نون: 021-36809201

زندگی کو نیا ”ڈریز اسن“ چاہیے!

Laura L. Carstensen

زندگی کے بارے میں نئی سوچ درکار ہے۔ آج زندگی کو ایک نیا ڈریز اسن چاہیے۔ پیسوں صدی بھروسی نے انسان پر یہ احسان کیا ہے کہ اوسط عمر میں کم و بیش ۳۰ سال کا اضافہ ہو گیا ہے۔ عمومی سطح پر زندگی کا معیار بلند ہوا ہے۔ بیماریوں سے لڑنا ممکن ہو گیا ہے۔ بیماریوں کو غالباً بھی بہت حد تک ممکن ہو گیا ہے۔ اوسط عمر میں غیر معمولی اضافے نے انسان کو سکون کا سائنس لینے کا موقع تو فراہم کیا ہے مگر ساتھ ہی ساتھ چند ابھیں بھی ہیں، جن سے جسم پوشی ممکن نہیں۔

اوسط عمر میں اضافے کا ایک واضح تجربہ یہ رہا ہے کہ بڑھاپے کا دورانیہ بڑھ گیا ہے۔ ایک زمانے سے لوگوں کی خواہش تھی کہ ۱۰۰ سال بھیں۔ یہ خواہش پوری ہونے کو ہے۔ جدید ترین علوم و فنون کی مدد سے ایسی بہتی اشیاء تیار، ابجاداً اور دریافت کی جا سکی ہیں، جو انسان کو روکے رہیں پر قیام میں تو سچ دینے کے قابل ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ اوسط عمر تو بڑھ گئی ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ جو بچہ تبدیل ہونا چاہیے تھا، وہ تبدیل نہیں ہو سکا ہے۔ آج تک اسی پھر کے ساتھ جی رہے ہیں جو موجودہ سے نصف اوسط عمر سے مطابقت رکھتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر کوئی ۱۰۰ سال جیتے تو ریٹائرمنٹ کے بعد ۲۰ سال تک کیا کرے۔ اگر محنت کا معیار بہت بلند ہوتا ہے، مگر بھی ۱۰۰ سال کی عمر میں تو شروع ہو گا۔ ایسے میں آخری ۳۰ سال کس طور از رے جائیں گے؟ اگر کسی نے عمر کی دوسرا دہائی میں تعلیم پائی ہو تو وہ تعلیم بڑھاپے میں لیتھن پیچا سال بعد کس طور کا آمر ہے؟ امریکا کے اسٹیفرن ڈینیٹ فارنگوی نے ”دی نیو میپ آف لائف“ کے عنوان سے ایک منصوبہ شروع کیا ہے، جس کا نیادی مقصود ۱۰۰ سال تک جیتے والوں کو ڈھنگ سے جیتے رہنے کا مائنڈ سٹیٹ اپنانا ہے۔ کل تک کاس روم سب کچھ ہوا کرتا تھا۔ اب ایسا نہیں ہے۔ آج کاس روم سے باہر بھی بہت کچھ سیکھا جا سکتا ہے اور سیکھا جا رہا ہے۔ حقائق، معلومات اور علم فراہم کرنے کے ذرائع اتنے زیادہ ہیں کہ تم انہیں کثنوں کرنے کی پوزیشن میں بھی نہیں۔

اب ایک ایسی ورک فورس تیار کرنا ہے، جس کی ذمہ داریاں اور فرائض مختلف متنوع ہوں۔ اوسط عمر میں اضافے کے نتیجے میں کام کرنے والوں کو بچوں کے ساتھ ساتھ والدین کی بھی دیکھ بھال کرنا ہو گی۔ اب لوگوں کو بہت بڑی عمر تک کام اوسط عمر میں اضافے کے نتیجے میں زیادہ دیر تک جیتے والوں کو ڈھنگ سے جیتے کام کرنے کا باطل ترک کرنے کی ضرورت ہے۔ اب سب کچھ ایک پلیٹ فارم پر لانے کی ضرورت ہے۔ بیزاری سے بچنے کی بھی ایک ایک صورت ہے۔ زندگی کا پرانا باطل اب زیادہ کار آمد نہیں رہا۔ لازم ہے کہ تعلیم کے حصوں کے ساتھ ساتھ کام بھی کیا جائے اور فیصلی کو بھی وقت دیا جائے۔ ریٹائرمنٹ کا تصور بھی تبدیل ہونا چاہیے۔ اگر کوئی ۲۰ سال کی عمر میں ریٹائر ہو تو باقی ۲۰ سال کیا کرے گا؟ بے کاری کی زندگی تو شدید بیزاری کا ذریعہ ثابت ہو گی۔ لازم ہے کہ آج کے ترقی یافتہ معاشروں کا یعنی کم و بیش ۱۰۰ سال جیتے والا انسان کسی ایک شبے کا نہ ہو رہے بلکہ کئی شعبوں میں طبع آزمائی کرے، اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ بار اور ثابت کرے۔ بیزاری سے بچنے اور بھرپور لطف کے ساتھ جیتے کی بھی ایک صورت ہے۔ جب بڑھاپے کا دورانیہ بڑھ گیا ہے۔ ایک زمانے سے کوئی خواہش تھی کہ ۱۰۰ سال بھیں۔ یہ خواہش پوری ہونے کو ہے۔ جدید ترین علوم و فنون کی مدد سے ایسی بہتی اشیاء تیار، ابجاداً اور دریافت کی جا سکی ہیں، جو انسان کو روکے رہیں پر قیام میں تو سچ دینے کے قابل ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ اوسط عمر تو بڑھ گئی ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ جو بچہ تبدیل ہونا چاہیے تھا، وہ تبدیل نہیں ہو سکا ہے۔ آج تک اسی پھر کے ساتھ جی رہے ہیں جو موجودہ سے نصف اوسط عمر سے مطابقت رکھتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر کوئی ۱۰۰ سال جیتے تو ریٹائرمنٹ کے بعد ۲۰ سال تک کیا کرے۔ اگر محنت کا معیار بہت بلند ہوتا ہے، مگر بھی ۱۰۰ سال کی عمر میں تو شروع ہو گا۔ ایسے میں آخری ۳۰ سال کس طور از رے جائیں گے؟ اگر کسی نے عمر کی دوسرا دہائی میں تعلیم پائی ہو تو وہ تعلیم بڑھاپے میں لیتھن پیچا سال بعد کس طور کا آمر ہے؟ امریکا کے اسٹیفرن ڈینیٹ فارنگوی نے ”دی نیو میپ آف لائف“ کے عنوان سے ایک منصوبہ شروع کیا ہے، جس کا نیادی مقصود ۱۰۰ سال تک جیتے والوں کو ڈھنگ سے جیتے رہنے کا مائنڈ سٹیٹ اپنانا ہے۔ کل تک کاس روم سے باہر بھی بہت کچھ سیکھا جا سکتا ہے اور سیکھا جا رہا ہے۔ حقائق، معلومات اور علم فراہم کرنے کے ذرائع اتنے زیادہ ہیں کہ تم انہیں کثنوں کرنے کی پوزیشن میں بھی نہیں۔

اب ایک ایسی ورک فورس تیار کرنا ہے، جس کی ذمہ داریاں اور فرائض مختلف متنوع ہوں۔ اوسط عمر میں اضافے کے نتیجے میں کام کرنے والوں کو بچوں کے ساتھ ساتھ والدین کی بھی دیکھ بھال کرنا ہو گی۔ اب لوگوں کو بہت بڑی عمر تک کام

ہر دور کا انسان زیادہ سے زیادہ دیر تک رونے ارض پر رہنے کا خواہش مند رہا ہے۔ ابتدائی دور میں چونکہ علاج کی سہولتیں بھی نہ تھیں اور سفر کو محفوظ بنانے کے طریقے بھی ایجاد نہیں کیے۔ اوس طبقہ میں غیر معمولی اضافے نے انسان کو سکون کا سائنس لینے کا موقع تو فراہم کیا ہے مگر ساتھ ہی ساتھ چند ابھیں بھی ہیں، جن سے جسم پوشی ممکن نہیں۔

اوسط عمر میں اضافے کا ایک واضح تجربہ یہ رہا ہے کہ بڑھاپے کا دورانیہ بڑھ گیا ہے۔ ایک زمانے سے لوگوں کی خواہش تھی کہ ۱۰۰ سال بھیں۔ یہ خواہش پوری ہونے کے بعد ترین علوم و فنون کی مدد سے ایسی بہتی اشیاء تیار، ابجاداً اور دریافت کی جا سکی ہیں، جو انسان کو روکے رہیں پر قیام میں تو سچ دینے کے قابل ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ اوسط عمر تو بڑھ گئی ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ جو بچہ تبدیل ہونا چاہیے تھا، وہ تبدیل نہیں ہو سکا ہے۔ آج تک اسی پھر کے ساتھ جی رہے ہیں جو موجودہ سے نصف اوسط عمر سے مطابقت رکھتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر کوئی ۱۰۰ سال جیتے تو سچ دینے کے قابل ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی ۱۰۰ سال کے درمیان ہے۔ ترقی یافتہ معاشروں میں ۴۰ اور ۵۰ سال کے درمیان ہے۔ ترقی یافتہ معاشروں میں صحت عامہ کے اعلیٰ معیار، علاج کی سہولتوں اور جدید ترین ٹیکنالوجیز کی مدد کر دہ معیاری اشیائیں خور و نوش کے دستیاب ہونے کی بدولت انسان کے لیے بہتر صحت کے ساتھ طویل عمر باندا ممکن ہو گیا ہے۔ جلبان اس کی ایک واضح مثال ہے، جہاں ریاستی سطح پر ملنے والی جدید ترین سہولتوں اور سادہ طرز زندگی کی مدد سے اوسط عمر ۸۰ سال سے زائد ہو چکی ہے۔ ۱۷-۲۰ کے اعداد و شمار کے مطابق جلبان میں ۱۰۰ سال سے زائد عمر والے افراد کی تعداد ۶۷ ہزار سے زائد تھی۔ جلبان میں ۱۰۰ سال سے زائد جیتے والوں کا تنااسب فی لاکھ ۸۸ میں، جو دنیا بھر میں سب سے زیادہ ہے۔

طویل عمر پانے کی خواہش قدری ہے۔ انسان اس دنیا میں زیادہ سے زیادہ جیتا چاہتا ہے مگر کیا زیادہ جیتا کسی کام کا ہے اگر ذہن خالی ہو اور تیاری نہ کی گئی ہو؟ یہ سوال ماہرین کو ایک زملائی سے پریشان کر رہا ہے۔ زیر نظر مضمون میں اسی حوالے سے معاملات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

۷۰۔ رارب ڈالر کی ریفائلزی

سعودی آرکاؤ اور یو ٹیجن پوشل آنکل سپنی (ایئنڈ) نے مل کر بھارت کی بڑی مارکیٹ سے مستفید ہونے کا جو منصوبہ تیار کیا تھا، وہ اب لگت میں غیر معقول اضافے کی وجہ سے ہے۔ ابتدائی تجھیں ۲۰۲۲ء رارب ڈالر کا تھا، اب لگت کا تجھیں میں کے رارب ڈالر ہے! لگت میں ۵۹ فیصد اضافے نے تمام اسٹیک ہولڈرز کے لیے شدید پریشانی کا سامان کیا ہے۔ سعودی آرکاؤ اور یو ٹیجن نے مل کر بھارت کی مغربی ریاست مہاراشٹر میں رتناگری کے مقام پر ریفائلزی پر اچیکٹ لگانے کی منصوبہ بندی کی ہے۔ اب مقام تبدیل کر دیا گیا ہے۔ رتناگری کے بجائے اب ریفائلزی میں سے ۱۰۰ اکلوٹیز دور رائے گڑھ کے مقام پر قائم کی جائے گی۔ ایک بڑا مسئلہ بہت بڑے قطعہ اراضی کے حصول کا بھی ہے۔ لگت میں کمیش امنی کی قیادت میں قائم ریالائنس گروپ نے قابل اور کمیکٹر کے سیکٹر کے اپنے ۴۰ فیصد شیئر سعودی آرکاؤ کو فروخت کر دیے۔ اس پر اچیکٹ کے لیے نئی تاریخ ۲۰۲۵ء کی وجہی ہے۔

چند ماہ قبل سعودی عرب کی تیل کی تصیبات پر یمن کے حوثی ہاغیوں کے ہملوں کے باعث بنیادی ڈھانچے کو غیر معقول نقصان پہنچا تھا۔ سعودی عرب میں تیل کی پیداوار تاثر ہوئی تو تیل کی عالمی منڈی پر بھی شدید مخفی اڑاثت مرتب ہوئے۔ تب سعودی قیادت نے فیصلہ کیا کہ بھارت میں ایک بڑی ریفائلزی لگائی جائے تاکہ مستقبل میں کسی بھی ناخوشگار صورت حال کے مخفی اڑاثت سے بچا جاسکے۔

سعودی آرکاؤ سرکاری ادارہ ہے جو ملک کی تیل کی آمدن کا معاملہ کرتا ہے۔ پریم کوشل فارسی و عوامی آرکاؤ معاملات کی نگران ہے۔ اس ادارے کی بائگ ڈالر کی خاندان کے ہاتھ میں ہے۔ دنیا میں تیل کے سب سے بڑے ذخیرے سعودی عرب میں ہیں اور ساقیوں بڑے ذخیرے پر سعودی آرکاؤ تحریف ہے۔ سعودی آرکاؤ اور یو ٹیجن نے گرشنہ برس جوں میں ایک معابدہ کیا تھا، جس کے تحت بھارت میں ”رتناگری ریفائلزی اینڈ پریم کیلز لائیٹ“ کے نام سے پر اچیکٹ شروع کیا جانا تھا۔ اس منصوبے میں ۵۰ فیصد حصہ سعودی آرکاؤ اور یو ٹیجن کے ہوں گے جبکہ باقی ۵۰ فیصد اغذیں آنکل کارپوریشن، بھارت پرلوں اور ہندوستان پرلوں پر مشتمل کنسرٹیوں کے ہوں گے۔ سعودی ولی عہد محمد بن سلمان نے حال ہی میں تھوڑے عرب امارات کے دورے میں اس منصوبے کے حوالے مشترک اقتصادی کوشل کے تحت بات چیت کی تھی۔

(*)

میں بچت کھاتے کھوانے پڑیں گے تاکہ جوانی کے ڈھلنے پر پریشانیاں کم رہ جائیں۔ لمبا جیسے والوں کو مشتعل کے حوالے سے باشور ہوا پڑے گا۔ اگر مشتعل کمزور ہوں گے تو یہ اری بڑھے گی۔ تعلیم بھی معیاری ہوئی چاہیے جو تادیپ کا کارگر ہے۔ میں تصورات اور نظریات کا نظر ادا کرنے کا شعور بھی بیدار یا بیدار کیا جانا چاہیے تاکہ غیر ضروری فکری عملی تصادم سے بچا مکن ہو۔ طویل عمر کا بہتر انداز سے خیر مقدم کرنے کے لیے سماجی تعلقات کی نوعیت بھی مطابقت رکھتی ہوئی ہوئی چاہیے۔ جب روئے ارض پر گزارنے کے لیے وقت بہت ہو گاتب انسان کو دوسرا اور دیگر سماجی تعلقات کے حوالے سے بھی تو معیاری انداز اختیار کرنا پڑے گا۔ مضبوط سماجی ڈھانچا اور سماجی تعلقات کی قابلیت رکھنے کی نوبت ہی انسان کو مطمئن کر سکے گی۔ اس حوالے سے انہیں تربیت دینے کی ضرورت ہے، جو ۱۰۰ سال سے زائد جیسے کے خواہش مند ہیں۔ (ترجمہ: محمد ابراهیم خان، "Redesigning Life". ("Washington Post", November 30, 2019)

باقیہ: ترکی: ایک وجودی بی سافٹ پاور

طرز حکومت کی چاہی۔ جمہوری اتحاد طلاق کا یہ عمل ترکی کی داخلہ اور خارجہ پالیسی میں ظہر آیا۔ پالیسیوں کی تبدیلی نے موثر سافٹ پاور بنتے کی ترکی کی صلاحیت پر مخفی اڑاثت ڈالے۔

ترکی کے مذہبی اداروں کی سرگرمیوں کو صوابیہ اور کو سود جیسے مالک میں تو قدر کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے لیکن یورپی مالک کی صورت حال مختلف ہے۔ جرمنی، ہالینڈ اور سویڈن جیسے مالک میں جہاں گولن تحریک اور ترک اپوزیشن کے دیگر لوگ جلاوطنی میں ہیں، وہاں دیانت کوتک کی اندرنوں اختلافات کو بیرون ملک پھیلانے والا ادارہ سمجھتے ہیں۔ اس کے علاوہ دیانت جیسے ادارے ہمیزہ ہان مالک کی داخلی سیاست میں بھی دخل دینے لگے ہیں۔ جس کی وجہ اپردو ان کی تبدیل شدہ خارجہ پالیسی ہے۔

ترکی کی بڑھتی ہوئی آمرانہ اور اسلام پر مبنی پالیسیوں کو نہیں بھی سافٹ پاور کے حوالے سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ ترکی کی ان بدلتی پالیسیوں کو کچھ مالک قدر کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں اور کچھ اس حوالے سے تحفظات رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے ترکی کی مذہبی سافٹ پاور کا یک وجودی بی رجانہ کے طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ تاہم یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ گزشتہ سالوں میں ترکی نے دیانت فاؤنڈیشن اور دیگر اداروں کا ایک جا بنا لیا ہے اور یہ مسلم اکثریتی مالک میں اپنی اچھی ساکھی بھی رکھتا ہے۔ اگر ترکی کی اپنی خارجہ پالیسی میں متعطل اسلامی رواہ اختیار کرے اور دوبارہ اصل جمہوریت کی طرف گامزن ہو جائے تو یہاں مسلم اکثریتی مالک کے مقابلے میں زیادہ فائدہ اٹھتا سکتا ہے، جو اپنی خارجہ پالیسی میں اسلام کو ایک آئے کے طور پر استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ (ترجمہ: محمد عیند قادری، "Turkey: An Ambivalent Religious Soft Power", ("berkleycenter.georgetown.edu", June 6, 2019)

بھارت کے لیے حقیقی خطرہ

Jayadev Ranade

اُن کے لیے گنجائش تیزی سے گھٹ رہی ہے۔ امریکا بات تک پہنچا پر یعنی عسکری قوت کے ذریعے معاملات کو اپنے حق میں کرنے کے درپر رہا ہے۔ دوسری طرف یورپ سو فٹ پاور یعنی جدید ترین علوم و فنون اور معاشری اقدامات کے ذریعے اپنی آمروं پہنچانے کی کوشش کر رہا ہے۔

جیلین کے صدر شیخ جن پنگ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ مشترکہ اقدار رکھنے والی مصوبت اقوام اپنی برادری قائم کر لیں۔ نئے تعلقات کو فروغ دیا جائے۔ معاشری اور سیاسی سطح پر ایسے فعلے کیے جائیں جن کے موجودہ بڑی طاقتیوں کے لیے مسائل بیہدہ ہوں۔ معاشروں کی اقدار اور سلامتی خطرے میں ہے۔ امریکا اور یورپ پہنچانے کی وجہ پر بھانپ بچے ہیں۔ دونوں جیلین سے خائف ہیں۔ بھارت سمیت کئی بڑی بھی جیلین سے خائف و کھائی دیتے ہیں۔ وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ جیلین اپنی غیر معمولی مہیونگ پر اور سے ان کی مارکیٹ پر قبضہ نہ کر لے۔

جیلین کسی زمانے میں سپر پاور کا ووجہ رکھتا تھا۔ پہندر ہویں صدی یوسوی تک عالمی معیشت میں جیلین کا عمل دل غیر معمولی تھا۔ ایک یونیورسی قوم اپنے ماضی کوئی بھوتی۔ جیلین کا بھی یہی معاملہ ہے۔ جیلین قوم اپنی طاقت کا احیا چاہتی ہے۔ وہ ایسی طاقت بننا چاہتی ہے، جو عالمگیر سطح پر کیے جانے والے فیصلوں پر اثر انداز ہو۔ پہندر ہویں صدی کے خاتمے پر طاقت میں نمایاں کمی واقع ہونے سے جیلین کے ہاتھ سے بہت کچھ نکل چکا تھا۔ وہ کمی علاقوں سے محروم کر دیا گیا۔ استماری (مغربی) قوتوں نے اُسے معابدوں کے چنگل میں پھنسا کر بہت کچھ چھین لیا۔ جیلین چاہتا ہے کہ جو کچھ استماری قوتوں نے اس سے چھین لیا تھا، وہ واپس لیا جائے۔ اس مقصد کا حصول یقینی بنانے کے لیے جیلین قیادت بہت کچھ کر رہی ہے۔

بھارت سے صدری تازع بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ جیلین قیادت چاہتی ہے کہ بھارت سے جو گھوٹنے والی مددی کو اپنے ہاتھ سے بچانے والیں لے لیا ہے۔ اب لدارخ پر بھی اُس کا دعویٰ ہے۔

جیلین پاک اقتصادی رہنمای (سی پیک) بھارت کے لیے ایک بڑا دروسہ ہے۔ جموں و کشمیر کے علاوہ گلگت بلتستان اور اُس سے جو کوئے ہوئے دوسرے علاقوں پر بھارت کا

چند عصروں کے دوران ایشیا کے طول و عرض اور بحر الکاپل کے خطرے میں بہت کچھ تبدیل ہو چکا ہے۔ کمی ممالک مضمبوط ہو کر ابھرے ہیں۔ جیلین، بھارت اور ترکی اس حوالے سے مثال کا درجہ رکھتے ہیں۔ ترکی کا معاملہ و سط ایشیا اور مشرق وسطیٰ تک محدود ہے۔ جنوب مشرقی اور جنوبی ایشیا میں بھارت کے لیے اسکانات بھی ہیں اور مشکلات بھی۔ جیلین ایک بڑے حریف کی شکل میں موجود ہے، جسے مددی بغیر کچھ کر دکھانا، کسی مقام تک پہنچنا ترقیجاً ناممکن ہے۔

علاقوںی اور عالمی حالات بہت تیزی سے تبدیل ہو رہے ہیں۔ یہ عمل چیزیدہ بھی ہے۔ ہر معاملہ پوری توجہ چاہتا ہے۔ کوئی ایک جھوٹی علمی بھی خاصانہ تھان پہنچا سکتی ہے۔ ایسے میں بھارت کو تیزی سے ایسے فعلے کرنے ہیں، جو اس کے مفادات کو حقیقی تحفظ فراہم کرنے کی غانتت بنتیں۔ چعدशروں کے دوران ایشیا و بحر الکاپل کے خلطے میں ایک طرف جاپان تیزی سے ابھرا ہے اور عالمی سیاست میں اپنی بات منانے کے لیے کوشش ہے۔ جاپان معاشری اعتبار سے بہت مصوبط ہے تاہم جنرالی طور پر محدود ہوئے اور کمزور شافتی اڑات کا حامل ہونے کے باعث وہ عالمی سطح پر کوئی بڑا کروارادا کرنے کی پوزیشن میں نہیں۔ دوسری طرف وہیتان اور بھارت بھی خوب متحكم کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔ یہ سب تھیک ہے مگر حقیقی خطرہ یہ ہے کہ جیلین ابھر چکا ہے۔ جیلین معاشری اعتبار سے اس قدر مصوبط ہو چکا ہے کہ اب جاپان اور امریکا کے لیے حقیقی خطرہ ہے۔ عالمی سیاست و معیشت میں امریکا کی بalaotki رفتہ رفتہ محدود ہوئی جا رہی ہے۔ سات آٹھ عشروں سے عالمی نظام کی قیادت امریکا کے ہاتھ میں رہی ہے۔ جیلین عالمی نظام کی قیادت اپنے ہاتھ میں لیما چاہتا ہے یا پھر اس امر کے لیے کوشش ہے کہ چند ہم خیال اور طاقتور ممالک کے ذریعے امریکا کو ایک طرف ہٹا کر خطوط کی تقدیر لکھتا شروع کر دے۔ امریکا اور یورپ بھانپ بچے ہیں کہ

دولتی ہے۔ سی پیک سے وابستہ منسوبوں نے بھارت کی راتوں کی نیتدیں اڑاوی ہیں۔ مقبوضہ جموں و کشمیر کی خصوصی آئینی حیثیت ختم کر کے اُسے بھارت کا بخاطب حصہ بنانے کا عمل بھی اسی ذیل میں ہے۔ بھارت چاہتا ہے کہ جموں و کشمیر کو مرکزی دھارے میں شامل کرے، وہاں اپنا عمل دل اتنا بڑھا دے کہ جیلین اور پاکستان اُس کے حوالے سے کچھ زیادہ کرنے کی پوزیشن میں نہ رہیں۔ شاہراہ قرار قرم اور گواہ میں جیلین کی بڑی ہوئی وجہ پیش نے بھارتی قیادت کے لیے شدید افسوس پیدا کی ہے۔ جیلین صدر شیخ جن پنگ نے بھارتی قیادت پر زور دیا کہ کشمیر کے مسئلے پر پاکستان سے مذاکرات کرے۔ اس کے اگلے ہی روز بھارتی فوج نے مبید طور پر بالاکوٹ کو نشاہنہ بنا لیا۔ بالاکوٹ محلے کے ذریعے بھارت نے یہ پیغام دینے کی کوشش کی کہ جب بھی اس کے مفادات پر ضرب پڑے گی، بتہ وہ اپنے طور پر فصل کن کا رروائی کرے گا۔ یہ کارروائی اس لیے بھی کی گئی کہ شیخ جن پنگ نے کشمیر پر مذاکرات کے لیے زور دیتے ہوئے کہا تھا کہ وہ شدت گردی کا بڑا بدف بھارت نہیں، پاکستان ہے۔ بھارت کو جیلین اور پاکستان کی افواج کے درمیان بڑھتے ہوئے اشڑاک عمل پر بھی تشویش لا جاتی ہے۔ بالاکوٹ پر محلے کے ذریعے بھارت نے یہ پیغام دینے کی کوشش کی کہ وہ پاکستان کی طرف سے جو ہری جموں کی (مبید) دھمکیوں سے خوفزدہ ہے نہ کہ پاک جیلین دوستی سے۔

علاقوںی اور عالمی سطح پر بالاکوٹ حیثیت کے حوالے سے امریکا اور جیلین کے درمیان رشد کشی پاری ہے۔ ایسے میں بھارت کے لیے اعلیٰ رہنمایی بن کر نہیں رہا۔ اُسے بڑی ہوئی صورت حال کے مطابق اپنی پالیسیوں کو بدلتا ہو گا۔ مستقبل کو زیادہ سے زیادہ محفوظ بنانے کی بھی ایک صورت ہے۔ پاکستان اور جیلین کے درمیان بڑھتے ہوئے اشڑاک عمل کو محض تماشائی بن کر نہیں دیکھا جا سکتا۔ بھارتی پالیسی سازوں کو کوئی مفادات کا تحفظ یقینی بنانے کے لیے انہی کی داشمندی کا مظاہرہ کرنا ہے، اور وہ بھی بروقت۔

جسے دیورہ باندھے بھارت کی کایاںہ سیکریٹریٹ کر سے سابق ایڈیشنل سیکرٹری اور سینئٹر فلر چانتا ایئنلمس ایئنڈ اسٹریٹھجی کی موجودہ صدر ہیں۔

(ترجمہ: محمد ابراء خان)

"The China-Pak nexus is a threat. India is countering it well".
(Hindustan Times). Dec. 1, 2019)